ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

جنوری ۲۰۰۲ء

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اساسِ محکم

لغات القرآن
(ص ل و)

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق

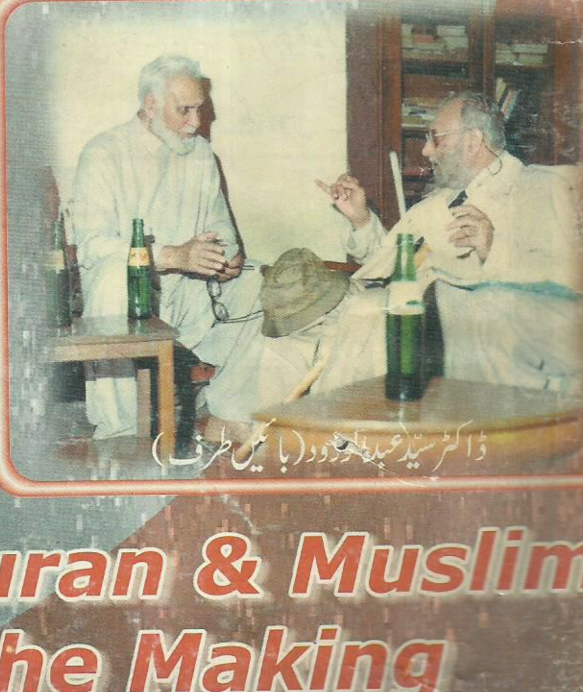

ڈاکٹر سید عبدالودود (بائیں طرف)

حیات بعد الممات

Ramadan, Quran & Muslims
Man in the Making
Voice of Youth

مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/- روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور-۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/1000 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 55 | جنوری 2002ء | شمارہ نمبر 1

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

- ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
- محترمہ شمیم انور

ڈسپیچ کلرک / اکاؤنٹینٹ ---- محمد زمرد بیگ

کمپوزر ------ شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ------- ایاز حسین انصاری

ناظم ------- محمد سلیم اختر

ناشر ------- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

- عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
- ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
- محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور-فون: 7232584

فہرست

لمعات

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	3
جوئے خُوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق	محمد علی فارق	5
حیات بعد الممات	ڈاکٹر منظور الحق	9
اساسِ محکم	خواجہ ازہر عباس	14

لغات القرآن

ص ل و (ی)	ادارہ	25

مقدمہ:

معارف القرآن، جلد اول۔ دوسری و آخری قسط	حافظ محمد اسلم جیراجپوری	35
تعزیتی خطوط		48

ENGLISH SECTION

Voice of Youth

Philosophy as a Process in Al-Islam

By Forauk 55

Ramadan, Quran and Muslims

By Mansoor Alam 59

Man in the Making

By Aboo B.Rana 64

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

لمعات

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

کسی بھی قابل ذکر شخص کی وفات پہ عام طور پر یہ مصرع لکھ دیا جاتا ہے، مگر ڈاکٹر سید عبدالودود کے متعلق یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ ان کے بارے میں موزوں ترین تبصرہ ہے، وہ ایک آزاد، جرأت منداور دبنگ شخصیت کے مالک تھے۔ ذاتی تعلقات میں بھی اور سماجی میدان میں بھی دوٹوک بات کرنے کے عادی تھے۔ لگی لپٹی کے قائل نہ تھے۔ جسے درست سمجھا اس کا ڈٹ کر ساتھ دیا اور جس سے اختلاف ہوا اسے برملا کہا، کسی سے علیحدہ ہوئے تو حسن کارانہ انداز سے، علیحدگی کے بعد بھی باہمی عزت کا رشتہ قائم رہا۔

یہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کی بات ہے جب میں نے پرویز صاحب کے درس میں حاضری دینا شروع کی۔ اپنی افتادطبع کے کارن اکثر پچھلی نشستوں پہ بیٹھ کر درس سنتا۔ انہی دنوں دیکھا کہ ایک بلند قامت، اپ رائٹ Upright مضبوط جسم، سوٹ بوٹ میں ملبوس شخص سر پر قراقلی ٹوپی پہنے اگلی سیٹوں پر بیٹھا کاپی قلم تھامے باقاعدہ نوٹس لیتا۔ معلوم ہوا ڈاکٹر سید عبدالودود ہیں۔ اس سے پہلے ان کا نام خاکسار تحریک سے وابستگی کے سلسلے میں سن رکھا تھا۔ پھر اسلام لیگ کے قیام کا سنا۔ اب تو انہیں درس کے ایک باقاعدگی سے شامل ہونے والے شخص کی حیثیت میں دیکھا۔

علامہ مشرقی کے بھی وہ بہت قریبی ساتھی تھے۔ مشرقی بلاشبہ ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ علمی میدان کے ایک شہسوار تو تھے ہی، حساب دانی بھی مسلم تھی۔ دینی میدان میں ان کی کتاب تذکرہ کا بڑا چرچا تھا۔ عملی میدان میں انہوں نے خاکسار تحریک کی بنیا درکھی جو اپنے بے مثل ڈسپلن کی وجہ سے جلد جمہور مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گئی اس تمام عرصے میں ڈاکٹر سید عبدالودود ان کے ساتھ تھے۔

علامہ مشرقی کے بعد علامہ غلام احمد پرویز کے قریبی ساتھیوں میں ان کا شمار رہا۔ وہ اگرچہ خود کو پرویز صاحب کا شاگرد کہا کرتے تھے، ۔۔۔ اور صاحب کیا شاگرد تھا کہ ان درسوں سے قرآن فہمی میں وہ کمال حاصل کیا کہ قرآن پاک کی آیات میں چھپے سائنسی پہلوؤں پہ غور وفکر کیا اور انہی کو مدنظر رکھتے ہوئے Phenomena of Nature and the Quran اور

The Heaven the Earth & the Qruan جیسی معرکہ آراء کتب تحریر کیں جوان کے غور و تدبر کی گہرائی، قرآن فہمی اور سائنسی علوم پہ عبور کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ صحیح قرآنی معنوں میں عالم تھے جو اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے انفس و آفاق پہ غور کرتا ہے۔

ان کی کتب کو انگریزی زبان میں ہونے کی وجہ سے بیرون ملک زیادہ پذیرائی ملی اور وقت کی ضرورت بھی یہی ہے کہ یہ پیغام انگریزی دان دنیا تک پہنچے اور مغرب کے' اسلام کے خلاف تعصب کو اپنی سنجیدہ فکر سے دور کر سکے۔ اس لحاظ سے یہ ان کی بہت بڑی اسلامی خدمت کہی جا سکتی ہے۔

یاد آیا وہ اپنے نام کے ساتھ کبھی کیپٹن بھی لکھا کرتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں چپ راست کرتے فوج میں چلے گئے تھے (اس زمانے میں بھی خاکسار تھے)۔ فوج نے انہیں شاید بامر مجبوری برداشت کیا مگر اس نے ان کی طبی مہارت کو جلا بخشی۔ مختلف محاذوں پہ مصروف رہے۔ برما کے دشوار گزار جنگلوں سے ہمت و جرأت کے ساتھ مردانہ وار گزرے۔ سرجری کے شعبے میں ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ Milittary Cross کا اعزاز حاصل کیا۔ سچ ہے مومن جس میدان میں بھی جاتا ہے بلند درجات تک پہنچتا ہے۔

نسبت روڈ پہ ''جی ڈی کپور کی سرجری'' ان کی مشرقی پنجاب کی جائیداد کے بدلے میں الاٹ ہوئی۔ وہاں انہوں نے ودود ہسپتال کے نام سے اپنا ارتھوپیڈک سرجیکل ہسپتال شروع کیا۔

روشن اور دور رس ذہن کے ساتھ اللہ نے انہیں مضبوط اور توانا جسم بھی عطا فرمایا تھا اور دونوں کو انہوں نے انسانیت کی فلاح کے لئے وقف کیئے رکھا۔ قیام پاکستان کے زمانے میں جالندھر اور گرد و نواح کے مجبور اور زخمی مسلمانوں کی خدمات سے لے کر ودود ہسپتال میں خدمت تک خلوص دل سے کوشاں رہے۔

عمر کے چند آخری سالوں میں پہلے مالی پریشانیوں نے گھیرا' پھر جسمانی عوارض دبے پاؤں آگے بڑھتے رہے' سماعت پہ اثر ہوا' توانائی کم ہوئی مگر ان کی باتوں سے کبھی ظاہر نہ ہوا کہ وہ کسی مشکل سے گھبرائے ہوئے ہوں' انہوں نے کبھی نہ کہا'

مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں

بدستور Upright انداز میں ہر مشکل کا مقابلہ کیا مگر وقت آخر وقت ہے' مہ و سال اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ یہ سپاہی بھی نامساعد حالات سے لڑتا لڑتا نومبر کی 26 تاریخ کو خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو گیا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چشم تصور میں دیکھتا ہوں تو ایک سرو قد نورانی پیکر حضور حق میں سربسجود اپنے لئے نہیں ملت کے لئے رحمتوں اور رفعتوں کی ارزانی طلب کر رہا ہے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد علی فارق

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق

۲۶ نومبر ۲۰۰۱ء کو پروانۂ شمع قرآنی، حبیب مکرم ڈاکٹر سید عبدالودود بھی ہم سے جدا ہو گئے اور وہ آواز جو قرآنی حقائق کو کتاب فطرت کی روشنی میں، ایک طویل عرصہ سے بڑی نادرہ کاری سے پیش کرتی چلی آ رہی تھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی اور ہمیں سوگوار کر گئی۔

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

مرحوم کی پیدائش ۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء کو پھگواڑا (ہندوستان) میں ہوئی اور ان کے بقول "ان کے آباؤ اجداد موضع گوہاوہ تحصیل پھلور ضلع جالندھر میں کئی پشتوں سے مقیم تھے۔ اس موضع کی پوری آبادی ترمذی سیدوں پر مشتمل تھی۔ ان کے دادا مولوی رکن الدین طبیب تھے جبکہ ان کے والد مولوی حسام الدین مشرقی علوم کے فاضل اور ایک معروف قانون دان تھے، ان کے گھر کا ماحول اس قدر دینی اور ان کی والدہ کا ڈسپلن اتنا سخت تھا کہ ساڑھے تین سال کی عمر میں ان کو نماز شروع کرا دی گئی اور پانچ سال کی عمر میں ماہ جون کی شدید گرمی میں انہیں پہلا روزہ رکھوایا گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے میٹرک پھگواڑا سے، ایف ایس سی کپورتھلہ سے اور ایم بی بی ایس کنگ ایڈورڈ کالج لاہور سے پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں جالندھر میں میڈیکل اور سرجیکل پریکٹس شروع کی۔ ۱۹۴۰ء میں انڈین میڈیکل سروس کے لئے منتخب ہوئے اور پھر ان کو نمایاں کارکردگی پر ملٹری کراس کے اعزاز سے نوازا گیا۔

ڈاکٹر صاحب عرصہ دراز تک خاکسار تحریک سے وابستہ رہے۔ وہ جالندھر شہر کے سالار بھی رہے، جب مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں ۳۱۳ خاکساروں کے جیش پر گولی چلی تو ان کے تین خاکسار بھی اس جیش میں شامل تھے۔ جنوری ۱۹۵۱ء میں علامہ مشرقی کے ساتھ ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں پانچ ماہ بعد رہائی ملی جبکہ علامہ صاحب کی رہائی کے لئے انہیں ہائی کورٹ جانا پڑا، ۱۹۵۰ء کے عشرہ میں پرویز صاحب کی چند کتابیں پڑھنے کے بعد، ان کی فکر کو اپنے ذہن کے قریب پا کر ان کی طرف کھنچتے چلے گئے اور پھر جب پرویز صاحب کراچی سے لاہور منتقل ہوئے تو پورے دس سال ان کا درس سنا اور اس کے نوٹس لئے۔

اس کے بعد چار برس تک وہ اس محفل سے غائب رہے لیکن پرویز صاحب کے بقول "ان کا یہ غیوب بدر حقیقت سورج کا

غروب تھا جو دوسری صبح تازہ درخشندگی کے ساتھ وجہ تابانی عالم ہوتا ہے' وہ چار برس کے بعد ایک نہایت مجلّا اور مطلا کتاب ہاتھوں میں لئے نمودار ہوئے جس کا نام ہے۔

Phenomena of Nature and the Quran

یہ آفتاب تازہ ڈاکٹر سید عبدالودود کے نام سے متعارف ہے''۔ یہ الفاظ پرویز صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے سپرد قلم کئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب کو پرویز صاحب کے نام ان الفاظ میں منسوب کیا ہے ''میرے فاضل اور قابل استاذ علامہ غلام احمد پرویز کے نام۔ جن کی بصیرت افروز اور سحر انگیز قرآنی فکر نے میرے دل میں پیغام خداوندی پر غور و فکر کے جذبہ اور ولولہ کو بیدار کیا''۔

اس انتساب کے بارے میں پرویز صاحب نے لکھا

''اس کے متعلق میں اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ یہ میرے اس حبیب مکرم کی وسعت قلب اور کشادگیٔ نگاہ کا آئینہ ہے وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ البتہ ایک بات ضرور ہے۔ میں قریب قریب اپنی ہر تصنیف کے آخر میں لکھا کرتا ہوں کہ میری اس کاوش سے اگر ایک قلب سلیم بھی چشمہ قرآنی کے قریب آجائے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری دیدہ ریزی کا صلہ مل گیا اور میری یہ دعا تو میرے احباب نے اکثر میری زبان سے سنی ہوگی کہ

عمر بھر کی نواگری کا صلہ
اے خدا کوئی ہم نوا ہی دے

میں سمجھتا ہوں کہ اس مستجاب الدعوات کی بارگاہ عالیہ نے میری اس دعا کو شرف باریابی عطا فرما دیا جو مجھے ڈاکٹر صاحب جیسا ''ہم نوا عطا کر دیا وہ میرے ہمنوا ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میدان میں وہ مجھ سے بھی آگے نکل گئے ہیں کہ امور سائنس کے متعلق میرا مطالعہ عمومی ہے اور ان کی تحقیقات خصوصی ہیں۔

طلوع اسلام کی ایک کنونشن میں' ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنے صدارتی ارشادات کے آخر میں کہا تھا کہ دعا میں انسان کی ''خود غرضی'' پوشیدہ ہوتی ہے۔ میری دعا یہ ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں کم از کم اس وقت تک پرویز صاحب ضرور زندہ رہیں' اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو مجھ سے بھی زیادہ عمر عطا فرمائے کہ وہ میری فکر قرآنی کے چراغ کو میرے بعد بھی روشن رکھیں۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است''

جب ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء کو پرویز صاحب کی وفات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ:

''۲۴ فروری ۱۹۸۵ء کی تاریخ زمانے کی تختی پر محفوظ ہو گئی۔ ادھر اس جہانِ فانی کا سورج افق پر غروب ہو رہا تھا اور ادھر بیسویں صدی کا علمِ قرآن کا خورشیدِ جہانتاب اور آسمان خطابت کا درخشندہ ستارہ نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ ساز جس نے نصف صدی تک گنبدِ افلاک میں تکبیر مسلسل کو جاری رکھا' بند ہو گیا اور وہ آواز جس کے مقام محمدی اور سورۃ النجم بیان کرتے وقت شاید آسمان کے فرشتے بھی صف بستہ کھڑے ہو جاتے تھے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ بہت سے احباب کو آج سے پچیس برس پہلے کا واقعہ یاد ہوگا جب میں نے طلوع اسلام کے ایک کنونشن کے موقع پر کہا تھا کہ انسان جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو اکثر اس میں کوئی نہ کوئی خود غرضی شامل ہوتی

ہے، میری دعا یہ ہے کہ اے خدا محترم پرویز صاحب کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میں زندہ رہوں، لیکن آہ پرویز صاحب آج مجھ سے جدا ہو گئے۔ میں روزِ محشر پرویز صاحب سے یہ گلہ تو ضرور کروں گا کہ آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کیوں آ گئے تھے۔'' (طلوع اسلام اپریل ۸۵ء)

ڈاکٹر صاحب تو اب پرویز صاحب کے پاس چلے گئے اور ان سے گلے مل لیں گے

جب گلے سے مل گئے سارا گلہ جاتا رہا

اور

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

ڈاکٹر صاحب نے دساتیر فطرت کے متعلق آیات قرآنی میں غور و تدبر کی خاطر برسوں علم ہیئت، علم کیمیاء، علم طبیعات، علم حیاتیات، علم جنین، علم تولید اور علم ارتقاء وغیرہ پر مشتمل متقدمین سے لے کر متاخرین تک کے سائنس دانوں کی شہرہ آفاق اور قابل اعتماد تصانیف کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا اور ان کے نظریات کو قرآنی حقائق کی روشنی میں پرکھا اور اپنی ژرف نگہی اور جگر سوزی کے ماحصل کو اپنی درج ذیل تصانیف میں بیان کر دیا جو مشرق و مغرب کے ارباب علم و دانش اور اصحاب فکر و نظر کے علاوہ دنیا کے عظیم ترین سائنس دانوں تک سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں:

مظاہر فطرت اور قرآن

Phenomena of Nature & Quran. The Heavens the Earth & the Holy Quran. Conspiracies Against the Quran. Gateway to the Quran. Quranocracy not Democracy. Food & Hygiene In Islam. Pretenders, Mutual Tussle & The Quran.

قرآن سے دلچسپی کا اظہار تو بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن آباء و اجداد کی تقلید اور روایات کی زنجیروں کو توڑ کر حقائقِ قرآنی تک پہنچنا سخت دشوار ہوتا ہے اور پھر ایسے ماحول میں جس میں ندرتِ فکر کو کفر سے کم نہ سمجھا جائے، عقل و فکر کے چراغ روشن کر کے قرآن حکیم کی تعلیم کو شان نزول اور روایات سے الگ ہو کر آیات فطرت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا اور پھر نہ صرف سمجھنا بلکہ پوری زندگی اس کو سمجھانے کے لئے تمام صلاحیتیں وقف کر دینا قرآن کے الفاظ میں فوزِ عظیم یعنی بہت بڑی کامیابی ہے، اس لئے کہ

اوہام کا رباب، قدامت کا ارغنوں
فرسودگی کا سحر، روایات کا فسوں
اقوال کا مراق، حکایات کا جنوں
رسم و رواج و صحبت و میراث و نسل و خوں
افسوس یہ وہ حلقۂ دامِ خیال ہے
جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

پرویز صاحب تو ڈاکٹر صاحب کی شکل میں اپنا ایک ایسا شاگرد پیدا کر گئے تھے کہ جن کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

لیکن ڈاکٹر صاحب کے چلے جانے کے بعد ان کا کوئی ایسا ہم نوا نظر نہیں آتا جو ان کی جگہ لے سکے۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

ڈاکٹر صاحب کو عمر کے آخری سالوں میں جن بحرانوں کا سامنا رہا

ہے ان کا تصور بھی لرزا دینے والا ہے لیکن مشکلات و مصائب کے طوفانوں میں بھی مرحوم کوہِ گراں کی طرح ثابت قدم اور فکرِ قرآنی کی نشر و اشاعت سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہے۔

؎ گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

بلکہ

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

مرحوم کی وفات سے ایک ماہ قبل ان کے بیٹے محمد فاروق نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ ڈاکٹر صاحب آپ کو بڑی بے تابی سے یاد کر رہے ہیں۔ رات بارہ بجے انہوں نے کہا کہ فارق کو بلاؤ۔ پھر رات ایک بجے دریافت کیا' وہ آ گئے ہیں؟ اب آپ بتائیں کس وقت آ رہے ہیں؟ میں نے کہا ابھی محترم اشرف ظفر صاحب میرے ہاں آ رہے ہیں ہم دونوں تھوڑی دیر تک حاضر خدمت ہو جائیں گے۔ جب ہم پہنچے تو ڈاکٹر صاحب لیٹے ہوئے تھے' کہنے لگے مجھے اٹھاؤ' ہم نے ان کو اٹھایا' پھر مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگے' میری کتاب میں ایک غلطی رہ گئی ہے اسے صرف آپ ٹھیک کر سکتے ہیں۔ پھر اپنی انگریزی کتاب Phenomena of Nature and the Quran منگوائی اور اپنے پوتے عطاء الودود سے کہا کہ اس کے اوراق الٹتے چلے جاؤ' وہ الٹتے چلے گئے لیکن ڈاکٹر صاحب مطلوبہ مقام کی نشاندہی نہ کر سکے اور کہنے لگے مجھے لٹا دو' کل میں بتاؤں گا کس جگہ غلطی ہے' میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔ میں نے ان کے پوتے سے کہا کہ میں کل ٹیلی فون پر آپ سے دریافت کر لوں گا اگر وہ بتا سکے کہ کس مقام پر کیا تصحیح وہ چاہتے ہیں۔ لیکن اگلے روز بھی وہ نہ بتا سکے۔ بس ان کے ذہن میں ایک بات گردش کرتی تھی لیکن وہ اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ ان کے پوتے نے بعد میں بتایا کہ وہ وفات سے قبل بھی کچھ لکھنے کی کوشش کرتے تھے لیکن لکھ نہ سکتے تھے۔ وہ مرتے دم تک قرآن حکیم کے حقائق و معارف پر غور و تدبر کی کوشش کرتے رہے۔

؎ مریضِ محبت انہی کا فسانہ سناتا رہا دم نکلتے نکلتے
مگر ''وقتِ'' شامِ الم جب کہ آیا چراغِ سحر بجھ گیا جلتے جلتے

ہم ان کی کتابِ زندگی کی ورق گردانی کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری التجا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور انہیں درجات بلند عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

سانحۂ ارتحال

بزمِ طلوعِ اسلام (خواتین) لاہور کی فعال و متحرک کارکن محترمہ تابندہ قمر کے والد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ عزیزہ تابندہ قمر اور ان کے دیگر اعزہ و اقربا کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

ادارہ طلوعِ اسلام لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر منظور الحق

''حیات بعد الممات''

پیش منظر :- موت قدرت کا مظہر عین ہے۔ یہ ایک ایسی تبدیلی ہے جو انسانی جسم کے اندر وقوع پذیر ہوتی ہے جبکہ جسم کا آغاز توارثی' حیاتیاتی خلیات کے اشتراک سے ہوتا ہے' جو آگے چل کر بلوغت کے عمل سے نمو پاتا رہتا ہے حتیٰ کہ نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد عمل افتراق' انسانی جسم کو زوال کی جانب دھکیلنا شروع کرتا ہے اور یہ عمل اپنے نصف النہار پر پہنچ کر موت کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے۔ لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ وہ کون سی شے ہے' جو جسم انسانی کی فنا کو بقاء کی جانب لے جا سکتی ہے؟ جواب ہے ''ذات انسانی'' شخصیت' انا یا بہ اصطلاح اقبال ''خودی''! یہ وہ مخفی قوت ہے جو انسانی جسم میں نمو پا کر' نہ صرف اسے دوام بخشتی ہے' بلکہ ایک جہانِ نو کا تازہ دریچہ بھی وا کرتی ہے۔ سورہ واقعہ میں برہان قاطع (یعنی کہ قرآن پاک) بڑے وثوق سے کہتا ہے کہ موت اختتامِ زندگی نہیں بلکہ مختلف النوع دنیا کا شرح صدر ہے: ارشاد ہے:

''اسی قانون تخلیق و زندگی کے مطابق ہم نے تمہاری موت کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں...... لہٰذا ہم اس سے قطعاً عاجز نہیں کہ تمہارے ان پیکروں کو بدل کر' تمہیں ایک ایسی نئی شکل میں پیدا کر دیں جس کا آج تمہیں علم ہی نہیں۔ ذرا سوچو کہ جب تم اپنی موجودہ زندگی کا یقینی علم رکھتے ہو۔ تمہیں اپنے زندہ اور موجود ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ تو تم اپنی دوسری زندگی کے متعلق یقین کیوں نہیں کرتے؟'' ۔(۶۳-۶۱/۵۶)۔

ذات انسانی :- انسانی ذات کبھی بھی جسم کا حصہ نہیں رہی اور نہ ہی کبھی طبعی قوانین سے مغلوب ہوئی ہے۔ جبکہ جسم طبعی دنیا میں کام کرنے کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذات انسانی جسم کو اپنے آلۂ کار کے طور پر کام میں لاتی ہے اور اس کے خاتمے کے باوجود بھی اپنی حیثیت برقرار رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے:

''(یہ لوگ تمہاری جن باتوں کو بہکی بہکی قرار دیتے ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے جو) یہ کہتے ہیں کہ جب ہم (مرنے کے بعد) ہڈیاں رہ جائیں گے اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا' اس کے بعد بھی ہم' از سرنو پیدا کر کے اٹھا لیے جائیں گے؟۔ ان سے کہو کہ تم (مرنے کے بعد' ہڈیاں اور چورا ہی نہیں) پتھر بن جاؤ' لوہا بن جاؤ یا کوئی اور ایسی چیز بن جاؤ جس کا زندہ ہونا تمہارے نزدیک ناممکن ہو (تم کچھ ہی بن جاؤ تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے) اس پر یہ کہیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ ان

سے کہو کہ وہی خدا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا (جبکہ تمہاری ہڈیاں اور چورا تک بھی نہ تھا)"۔ (۱۷/۴۹-۵۱)

ہم مذکورہ بالا آیت مقدسہ کی توضیح ان معنوں میں کرتے ہیں کہ ذات انسانی، طبعی قوتوں یا طبعی قوانین کی پیداوار نہیں اور نہ ہی ان کے زیر اثر ہے بلکہ اس کی "بقاء" اور راہ نمائی کا اصل سرچشمہ "امر الٰہی" ہے۔ جو ایسے "قوانین الٰہیہ" ہیں جو عالم غیب میں وضع کیے جاتے ہیں۔ ان تک رسائی انسانی فہم و فراست سے ماورا ہے۔ گویا اس دنیا میں اور اس کے بعد کی دنیا میں "امر الٰہی" ذات انسانی کی دست گیری و راہ نمائی اسی انداز سے کرتا ہے جس طرح اس نے انسان کے ارتقائی عمل کے دوران کی تھی۔ اس لیے انسان کا عمل اور وجود اس سطح زندگی پر اسی انداز میں ترتیب پاتا ہے جس کے لیے وہ اپنی نچلی سطحِ ارتقاء سے گزرا تھا۔ اس طرح وہ اس سطح پر زندگی گزارنے کے لیے یا تو موزوں بن جاتا ہے یا پھر غیر موزوں۔

عزم و عمل: ارتقاء کی دو چیزیں:- ذاتِ انسانی کے ارتقاء میں دو چیزیں یعنی عزم اور عمل حقیقی کردار ادا کرتی ہیں۔ ذات انسانی کی نمو اور بقا کے لیے یہ دونوں چیزیں ناگزیر ہیں۔ اصل میں "عزم و عمل" ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ بقول علامہ جی۔ اے پرویز مرحوم اگر عمل "عزم کی تکمیل" کا نام ہے تو عزم "مخفی عمل"۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہو گا کہ "بے عزم"، "بے عمل"۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ متضاد صوتِ حال یعنی "بے عمل"، "بے عزم" بھی سچائی پر مبنی ہے۔ اس نکتہ نظر سے وہی آزاد نفس "عزم" کا متحمل ہو سکتا ہے جس کا ہر عمل بقائے حیات کی جانب پیش رفت کرتا ہے۔

آزاد ذات کا اظہار "عمل" کے ذریعے ہوتا ہے جو اسے ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ محدود معنوں میں آزادیٔ کار اور ذمہ داری کے بغیر "عمل" ناممکن ہے۔ اس طرح عزم و عمل سے متعلق یہ حقائق بقائے حیات کے سوال سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ تمام نوع انسانی طویل و مسلسل ارتقائی عمل کی پیداوار ہے جو کسی مقام پر رکتا نہیں بلکہ چلتا چلا جاتا ہے جس کے ایک خاص مقام پر پہنچنے کے بعد انسان اس کا فعال حصہ بن جاتا ہے اور ایک حد میں رہتے ہوئے اپنے باعزم اور بامقصد "عمل" کے ذریعے ارتقائی عمل کی رفتار اور سمت متعین کرتا ہے۔ اس طرح یہ عمل جو زمانہ قدیم سے جاری و ساری ہے اب یہ کسی ایسی شکل میں منتقل ہو چکا ہے جو کہ مفہوم و استدلال سے بعید ہے۔ اب یہ مادی جسم پر انحصار کرنے لگا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے فعل سرانجام دیتا ہے۔ ابتدائی اجسام کو فطری قوتوں کے ذریعے سنوارا اور نکھارا جاتا تھا تا کہ وہ ارتقاء کے اگلے مرحلے کے شایان شان بن سکیں۔ یہ بڑا طویل و تکلیف دہ عمل تھا جس میں نااہل سنگدلی سے اکھاڑ پھینکے گئے اور صرف اہل ہی پھل پھول سکے۔ اب نوع انسانی اپنی اگلی سطح زندگی کے لیے فطری قوتوں پر انحصار نہیں کر سکتی کہ وہ اس کو اگلے مرحلے کے لیے تیار کریں۔ اسے اپنا روپ آپ سنوارنا ہے۔ وہ تنہا اپنے آپ کو اعلیٰ مرحلے کے لیے تیار کر سکتا ہے جس میں اسے داخل ہونا ہے۔ اب نہ تو اس کی ذات میں فطری قوتوں کے ذریعے تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی اتفاقی طور پر۔

طریقۂ کار برائے استحقاق:- اب سوال یہ ہے کہ ذات انسانی کا انتقال اگلی حیات میں کس طرح ہوتا ہے؟ کس طرح یہ تبدیلی جنم لیتی ہے تا کہ وہ موت کے بعد اگلی سطح زندگی تک پہنچ سکے؟ ہاں تو یہ تبدیلی صرف اور صرف اپنی کی جانے والی اخلاقی سرگرمیوں، آزادانہ انتخاب اور رضا کارانہ اطوار سے کیے جانے والے "عمل" کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ جو افراد عمل صالح کے ذریعے اپنے آپ کو اگلے مرحلے میں بتدریج ارتفاع کے ذریعے اہل بناتے ہیں تو وہ داخلِ جنت ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اگلے ارتقاء کی اگلی کڑی ان نچلی سطح کی کڑیوں کے سلسلے میں ہی وجود پذیر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دوسری جانب، نااہل شخص اپنی دسترس سے باہر دلکش چیزوں کے مناظر، بیشتر نادر مواقع، جن سے اب وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اور فتح

یاب زندگی کے لطیف مناظر، جن سے وہ اب لطف اندوز نہیں ہو سکتا، دیکھ دیکھ کر اندرونی اذیت محسوس کرتا رہتا ہے۔ یہی جہنم ہے۔

ماحصل حیات: جنت یا جہنم: - جنت یا جہنم کی نوعیت مقامی نہیں بلکہ کیفیت کی سی ہے۔ علامہ اقبال اپنی کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں یوں صراحت فرماتے ہیں:

''جنت اور دوزخ اس کے احوال ہیں۔ مقامات یعنی کسی جگہ کے نام نہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی کیفیت، یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔ جیسا کہ دوزخ کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے ''اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے'' بہ الفاظِ دیگر وہ انسان کے اندر بہ حیثیت انسان اپنی ناکامی کا دردانگیز احساس ہے۔ جیسے بہشت کا مطلب ہے فنا اور ہلاکت کی قوتوں پر غلبے اور کامرانی کی مسرت''۔

(ص ۹۸، ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۱۸۵)۔

اس طرح جنت کا مقام مستقبل کے لیے درخشاں امید کے ثمرات سے جڑا ہوا ہے جبکہ جہنم وہ عالم یاسیت ہے جو تاسف و تذلیل سے داغدار ہے۔ جب کوئی شخص اپنی ذاتِ انسانی کو ناتوانی و کہالت کی جانب راغب کر لیتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ نیز زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نہ وہ زندوں میں رہتا ہے اور نہ ہی مُردوں میں۔ کیونکہ ادھر حیات ارتقاعی تحرک پر مشتمل ہوتی ہے جس کی وہ صلاحیت نہیں رکھتا اور اُدھر تاسف و افسردگی اس کی حیات پر گرفت ڈھیلی پڑنے نہیں دیتی۔ گویا لطائف کی ہستی اور عدم ہستی دونوں اس کی قوت فیصلہ میں مزاحم ہوتی رہتی ہیں۔ فرقان مجید اس بارے میں وضاحت کرتا ہے کہ:

''اس میں انسان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہ تو وہ مرتا ہی ہے (کہ یوں اس عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے) اور نہ ہی اس کا شمار زندوں میں ہوتا ہے۔'' (۱۳/۸۷)۔

الغرضیکہ، وہ شخص اظہار تاسف، جواب اس کا لوازمۂ حیات ہے، کرتا ہے:

''اس وقت انسان، بصد حسرت و یاس پکار اٹھے گا کہ اے کاش! میں نے بھی اس سے پہلے، وہ کچھ کیا ہوتا، جو مجھے آج حقیقی زندگی عطا کر دیتا۔'' (۸۹/۲۴)

جبکہ جنت کے مکین، دوسری جانب، اپنی خوشیوں کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

''اگر مجھ پر خدا کا فضل نہ ہوتا اور میں سیدھی راہ اختیار نہ کر لیتا تو میں بھی آج ان ہی میں ہوتا جو جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب ہمیں مرنا نہیں ہوگا جو موت آنی تھی وہ آ چکی، اور نہ ہی اب عذاب دیا جائے گا۔'' (۵۸-۵۷/۳۷)

ایسے لوگ بلا خوف و خطر موت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں دوبارہ اس آزمائش سے نہیں گزارا جائے گا۔ ان کی آنکھیں خودی کے نئے راستوں اور مناظر پر ٹک جاتی ہیں جو اسے نور الٰہی سے مستنیر کرنے کی ترغیب دیتی ہیں:

''ایسی روشن کہ تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کی پیشانیوں کا نور ان کے آگے آگے دائیں (بائیں) چل رہا ہو گا تا کہ ان کی زندگی کی تمام راہیں جگمگا اٹھیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لیے اس جنتی معاشرے کے لیے بشارتیں ہیں جس کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئے گی، جس کی شادابیاں ہمیشہ تروتازہ رہیں گی۔'' (۵۷/۱۲)

جبکہ اس جگہ پر مادہ پرست اس طرح کی باتیں بناتے

ہیں کہ:

''زندگی بس اس دنیا کی زندگی ہے' اس دنیا میں مرنے والے مر جاتے ہیں اور نئے بچے نئی زندگی لے کر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ زمانے کا چکر یونہی چلتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کو انسان کی اصل وحقیقت کا کچھ علم نہیں بس سطحی سی معلومات ہیں جن کی بناء پر قیاسی باتیں کرتے رہتے ہیں (انسان صرف اسکے طبعی جسم سے عبارت نہیں جس کے ختم ہو جانے سے خود انسان کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ محض حیوانی سطح زندگی ہے انسان میں ایک اور شے بھی ہے جسے اس کی ''ذات'' کہتے ہیں۔ یہ جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی۔'' (۴۵/۲۴)

کتاب مبین ہمیں واضح انداز میں بتاتی ہے کہ ہم موجودہ ارضی سطح سے بھی بلند جا سکتے ہیں اور اس طرح ہم مادی کائنات کی حدود سے آگے نکل سکتے ہیں۔ (۵۵/۳۳) لیکن اس کے لیے اپنے اندر مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں نظریات براہ راست ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ سورہ الجاثیہ ان دو متضاد الخیال عوامل کی نشاندہی اس طور سے کرتی ہے کہ:

''جو لوگ غلط روش پر چلتے اور زندگی میں ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں' کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ہمارے قانون کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کیا ہم ان دونوں گروہوں کی زندگی اور موت کو ایک جیسا بنا دیں گے؟ کیسا غلط خیال ہے جو یہ لوگ اپنے دل میں لیے بیٹھے ہیں!''۔ (۴۵/۲۱)

یہی وجہ ہے کہ مومن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ موت اس کے لیے اختتام زندگی نہیں بلکہ کامیاب ودرخشاں زندگی کی دہلیز ہے۔ یہی مومنِ حقیقی کی شناخت ہے اس سلسلے میں علامہ اقبال یوں گویا ہوتے ہیں (جس کا مفہوم یہ ہے کہ):

''میں آپ لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ سچے مومن کی شناخت اس کی موت کے وقت کر سکتے ہیں جب موت کے مہیب سائے اس کے ارد گرد منڈلانے لگیں اور وہ مسکرا کر ان کا خیر مقدم کرے۔'' (ارمغانِ حجاز)

اب سوال یہ ہے کہ حیاتِ جاودانی کی نوعیت کیا ہے؟ نظریۂ قرآنی یہ ہے کہ ابدیت کو ''بخشش'' کے طور پر نہیں لیا جا سکتا بلکہ یہ وہ انعام ہے جو ذات انسانی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی سعی وعمل کے ذریعے حاصل کرتی ہے۔ ذات انسانی اس انعام کو حاصل بھی کر سکتی ہے اور ضائع بھی۔ اس بات کا انحصار صرف اور صرف اس کی جہد مسلسل کی شدت اور معیار پر ہے نہ کہ دوسرے عوامل پر۔ کیونکہ جو ذات انسانی صراط مستقیم پر چلتی ہے موت اس کے لیے علامتِ دہشت نہیں۔ قرآن مجید باور کراتا ہے کہ:

''شدید ترین ہولنا کی بھی انہیں ہراساں نہیں کر سکے گی۔'' (۲۱/۱۰۳)

المختصر' ذات انسانی صحیح اعمال کی ادائی اور عزم کی موزونیت سے حیات جاودانی حاصل کر لیتی ہے۔ اس طرح ذاتِ انسانی' ان مطلق اور مستقل اقدار کے ذریعے جو قرآن پاک کی دفتین میں موجود ہیں اور اس کائنات کے معانی و مقاصد سے اہم تعلق رکھتی ہیں' ''موت'' کو اگلی سطح پر پہنچنے کا ایک عبوری دور سمجھتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ ذات انسانی' راست بازی اور عملِ صالح کے ذریعے 'بقا' حاصل کر لیتی ہے۔ اس طریقے سے ذاتِ انسانی درست اور ابدی اقدار جو اس کائنات کے مقاصد و معانی سے متعلق قرآن میں محفوظ ہیں' کے ذریعے یہ حقیقت جان لیتی ہے کہ موت اعلیٰ مقام پر پہنچنے کا ایک عبوری دور ہے۔ صرف ایک عبوری دور!

یہ ہے حیات بعد الممات اور باقی سب بتانِ آذری

قارئین محترم

(1) ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر 7-3082 نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ 2 لاہور ہے۔

(2) اگر آپ (Direct) رقم ادارہ کے اکاؤنٹ میں بھیجیں تو ادارہ کو اس رقم کے بارے میں اطلاع دیں کہ کون سے بنک کی وساطت سے رقم بھیج رہے ہیں اور کتنی رقم ہے۔ نیز وہ رقم کون سے فنڈ کے لئے ہے تا کہ اس کے بارے میں بروقت معلوم کیا جا سکے۔

(3) اگر آپ لوکل شمارہ کے لئے رقم مبلغ -/170 روپے بھیج رہے ہیں تو آپ برائے مہربانی ڈرافٹ بنوا کر بھجوائیں تا کہ بروقت اسے ادارہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرایا جا سکے۔ اگر آپ لاہور سے باہر کسی دوسرے شہر کا چیک ارسال کرنا ہی مناسب سمجھیں تو درج ذیل حساب سے رقم ارسال کریں۔

(i)	پاکستان میں شمارہ ایک سال کے لئے	170 روپے
(ii)	بنک چارجز جو لاہور سے باہر کا چیک ہو۔	70 روپے
	کل رقم	240 روپے
(i)	بیرون ملک شمارہ ایک سال کے لئے	1000 روپے

☆ زرشرکت مجلہ طلوع اسلام یا عطیہ ادارہ طلوع اسلام کو بھیجتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ بنک اکاؤنٹ ادارہ طلوع اسلام کے نام ہے۔ **چیئرمین یا ناظم ادارہ** کے نام نہ ہے۔ اس لئے براہ کرم منی آرڈر، چیک یا ڈرافٹ بھیجتے وقت صرف یہ عبارت تحریر کریں۔

1- منی آرڈر: ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی، گلبرگ ۲، لاہور۔

2- چیک یا ڈرافٹ: ادارہ طلوع اسلام اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بنک مین مارکیٹ گلبرگ لاہور۔

(4) میگزین کے لفافہ پر جہاں آپ کا ایڈریس درج ہوتا ہے اوپر یہ عبارت درج ہوتی ہے Subscription Paid up to 12/2001 یا کوئی اور مہینہ لکھا ہو گا۔

آپ براہ مہربانی اس عبارت کو ہر مہینہ شمارہ ملنے پر پڑھیں۔ اگر آپ کا زرشرکت ختم ہو رہا ہو تو رقم ارسال کر دیں تا کہ یاددہانی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(5) اگر آپ شمارہ جاری نہ رکھنا چاہتے ہوں تو زرشرکت ختم ہونے سے ایک ماہ پہلے ادارہ کو مطلع کریں تا کہ شمارہ بند کیا جا سکے۔

(6) اگر آپ اپنا ایڈریس تبدیل کرانا چاہتے ہوں تو ادارہ کو اس کے متعلق ہر ماہ کی 15 تاریخ تک مطلع کریں۔ بصورت دیگر شمارہ پہلے ایڈریس پر ہی روانہ کیا جائے گا۔

(7) مجلہ طلوع اسلام کے زرشرکت کے لئے منی آرڈر بھیجتے وقت اپنا ایڈریس صاف اور خوشخط لکھیں تا کہ ایڈریس میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ شکریہ

ایاز حسین انصاری

چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی

اساسِ محکم

نوع انسانی کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اپنی ساری تاریخ میں کوئی ایسا نظام اپنے لئے متشکل نہیں کر سکی جس میں ساری انسانیت سکون و آرام کی زندگی بسر کر سکے۔ وہ مستقل اقدار جن پر ایسے معاشرے کی تشکیل ہو سکے جس میں ساری انسانیت کی فلاح ہو، وہ اقدار دریافت کرنا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں ہے۔ عقل انسانی جس قدر بھی ترقی کرے اور علوم حاصل کرے وہ انسانی معاشرے کے لئے مستقل اقدار دریافت نہیں کر سکتی ارشاد ربانی ہے۔

وجعلنا لهم سمعا وابصاراً و افئدة فما اغنى عنهم سمعهم ولا ابصارهم ولا افئدتهم من شئى اذ كانوا يجحدون بآيات الله...... (۴۶/۲۶)۔

چونکہ وہ آیات الٰہی یعنی وحی خداوندی کا انکار کرتے تھے اور ان کی مفاد پرستی کے جذبات ان پر غالب تھے، اس لئے ان کی عقل و دانش، فہم و فراست ان کے کسی کام نہیں آئی اور جن نتائج کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے انہوں نے ہی انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ چونکہ ہر شخص کی عقل اپنا ہی مفاد پیش نظر رکھتی ہے اور دوسروں کے مفاد پر اپنے مفاد کو ترجیح دیتی ہے اس لئے وہ ہمیشہ وہی نظام بناتی ہے جو یا تو اس کے اپنے مفاد میں ہو یا اپنی قوم و قبیلہ کے مفاد میں ہو۔ ساری انسانیت کا مفاد اس کے پیش نظر نہیں ہو سکتا۔ علامہ اقبالؒ کی ایک مشہور رباعی اس مضمون اور مفہوم کو خوب واضح کرتی ہے۔

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر
سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ
در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ

یہ صرف اور صرف وحی الٰہی کا خاصہ ہے کہ وہ ایسا نظام عنایت فرماتی ہے کہ جس میں ساری انسانیت سکون و آرام کی زندگی گزار سکے۔ جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا استحصال نہ کر سکے اور Exploitation of Man by Man کے سارے ذرائع بند کر دیئے جائیں۔ وحی کے نظام کی بنیاد ہی اس اساس محکم پر ہوتی ہے کہ اس میں حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور اس میں کوئی شخص نہ کسی دوسرے کا محکوم ہوتا ہے اور نہ محتاج۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

چونکہ قرآن کریم کا اصل اور بنیادی موضوع بہترین معاشرے کی تشکیل ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کے اصول و قواعد دینے کے ساتھ ساتھ بہترین معاشرہ کی تعریف Definition بھی خود ہی کردی' فرمایا۔ فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون. یعنی اگر نوع انسانی اپنے معاشرے کو وحی الٰہی کے مطابق متشکل کرے' تو اس معاشرہ میں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ کسی قسم کا حزن۔ عربی لغت کے مطابق کسی واقعہ کے وقوع سے پیشتر خوف ہوتا ہے اور اس کے وقوع کے بعد جو رنج ہوتا ہے وہ حزن کہلاتا ہے۔ قرآنی معاشرے میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہوں گی۔ اسمیں جان کی تلافی' رزق ولباس کی کمی' رہائش کا نہ ہونا' تعلیم کا میسر نہ ہونا' زندگی کی لازمی ضروریات میں کمی' ان تمام چیزوں کا خوف اس معاشرے میں نہیں ہوگا۔ اگر کسی معاشرے میں اس قسم کا خوف یا کسی قسم کا حزن موجود ہے' تو یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ اس معاشرے میں وحی کا اتباع نہیں ہو رہا ہے' خواہ زبان سے وہ قوم کتنا ہی اتباع وحی کا دعویٰ کرے۔

ہم مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم نے ایسا ہی نظام عنایت فرمایا تھا اور وہ حضورؐ نے عملاً متشکل کر کے بھی دکھایا تھا لیکن وہ نظام کچھ عرصہ قائم رہا اور جلد ہی ختم ہوگیا۔ قرآن کی رو سے کسی بھی نظام کو اور خصوصاً قرآن کے نظام کو قائم کرنے اور اس کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو کلیتہً جاری کیا جائے۔ آدھے نظام کو قرآن کریم کے مطابق تشکیل کرنا اور نصفِ باقی کو قرآن کے خلاف بنانے سے' قرآنی نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض (۲/۸۵)۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے۔ نیز فرمایا یایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافته (۲/۲۰۸)۔ اے ایمان والو' اسلام میں پورے پورے داخل ہو' صدر اول میں مسلمانوں نے بھی قرآن کریم کے مطابق نظام متشکل کیا لیکن مسلمانوں کی' بلکہ ساری انسانیت کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس نظام کو علیٰ حالہ نہیں رہنے دیا گیا۔

جب مسلمانوں میں ملوکیت در آئی' تو اس نظام کا تصور بھی قرآن کریم کے مطابق نہیں رہا اور اس نظام کے کچھ حصہ کو برقرار رکھا گیا اور کچھ حصہ سے انحراف شروع کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ نظام درہم برہم ہوگیا۔ قرآنی نظام کی اساس محکم اس نظریہ پر قائم تھی کہ اس کی اطاعت سے ہی اللہ اور رسول کی اطاعت ہوتی ہے اور اس کی مخالفت سے اللہ و رسول کی مخالفت ہوتی ہے اور اس کی اطاعت ہی مسلمانوں کا مقصود حیات تھا۔ لیکن ملوکیت کے در آنے سے یہ تصور بدل گیا اور اس تصور کی رو سے اللہ و رسول کی اطاعت کے لئے نظام کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے بجائے قرآن و حدیث کی اطاعت کو جو انفرادی طور پر ہر جگہ کی جاسکتی ہے۔ اطاعت خداوندی سمجھا جانے لگا۔ اس طرح نظام کا تصور ختم کر دیا گیا اور قرآنی نظام کی کوئی ضرورت اور اہمیت نہیں رہی۔ ہر نظام کو قائم کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے ایک جذبہ محرکہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کے نظام کے قیام اور اس کی بقا اور استمرار کے لئے جذبہ محرکہ ہی یہ تھا کہ اس نظام کی اطاعت سے اللہ و رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔

جب یہ عقیدہ قائم نہیں رہا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا واحد ذریعہ قرآنی نظام ہے تو وہ نظام زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں انفرادی طور پر عبادت رائج ہوگئی اور جسے بھی اللہ و رسول کی اطاعت کرنی ہوتی وہ انفرادی عبادت گزاری یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ میں منہمک ہوگیا اور عبادت گزاری اور اطاعتِ خداوندی سے نظام اسلامی کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ ملوکیت کا مقصود بھی یہی تھا اور [illegible] مقصد اسے اس طرح حاصل ہو گیا۔

[illegible] مضمون ہذا میں یہ بات ثابت کی جائے گی کہ اللہ اور

رسول کی اطاعت کے لئے قرآنی نظام ایک لابدی چیز ہے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کا واحد ذریعہ اس کا دیا ہوا نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام جس کو حضورﷺ نے عملاً متشکل کر کے دکھایا اس کی اطاعت ہی اللہ رسول کی اطاعت تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام حضور کے بعد بھی چلنا تھا اس لئے حضورؐ کے بعد اس نظام اور اس نظام کے سربراہ کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی۔ یہ اطاعت اجتماعی طور پر ہوتی ہے اور قرآن کی رو سے یہ ایک اطاعت ہے اور قرآن نے اس کے لئے ضمیر واحد کی ہی استعمال کی ہے۔ قرآن کریم اپنی اصطلاحات خود وضع کرتا ہے، صلوٰۃ، زکوٰۃ، خمس، صدقات، صوم، طاغوت، سبیل المومنین وغیرہ اصطلاحات قرآن کریم کی اپنی ہیں۔ اس لئے اس نے جہاں جہاں اللہ و رسول کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے وہ نظام یا اس کی مرکزی اتھارٹی مراد ہوتی ہے۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں کی فوج پراگندہ ہو گئی اور حضورؐ بالکل تن تنہا رہ گئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ کو آواز دی جس پر وہ دوبارہ حضورؐ کے گرد اگرد جمع ہو گئے۔ بظاہر یہ آواز حضورؐ کی تھی لیکن چونکہ یہ حضورؐ کا ذاتی بلاوا نہیں تھا بلکہ آپ نے بحیثیت سربراہ مملکت یہ آواز دی تھی اس لئے اس آواز کو اللہ اور رسول کی آواز قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوا۔

۱۔ الذین استجابو اللہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح' للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم (۳/۱۷۲)

جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔

۲۔ یہودیوں نے مدینہ میں اس عہد کو توڑا تھا جو انہوں نے حضورؐ سے استوار کیا تھا۔ اس عہد شکنی کو خدا اور رسول کی مخالفت کہہ کر پکارا گیا ہے کیونکہ یہ مخالفت اسلامی نظام کی تھی۔

☆ ذلک بانھم شاقو اللہ و رسولہ ومن یشاقق اللہ و رسولہ فان اللہ شدید العقاب (۸/۱۳)

یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

۳۔ اس نظام کے خلاف بغاوت کر کے فساد کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں۔

☆ انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا اویصلبوا (۵/۳۳)۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں۔

۴۔ ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرہ (۳۳/۵۷)

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

اس آیت میں اگر اللہ تعالیٰ اور رسول سے حضور کی ذات مراد لی جائے تو بات بالکل الجھ جاتی ہے۔ رسول کو تو اذیت دی جا سکتی ہے، کیونکہ حضور انسان تھے اور ارد گرد کے لوگوں کی ان تک رسائی تھی کہ ہر طرح کی تکلیف انہیں دے سکتے تھے۔ انہیں جسمانی تکلیف بھی دی جا سکتی تھی اور روحانی بھی اور عملاً ان کو تکلیف دی بھی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ

وہ انسانوں کی رسائی سے باہر ہے اسے بھلا کون تکلیف و اذیت دے سکتا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ اسے کوئی تکلیف دے سکے۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دینے سے مراد نظامِ خداوندی کو نقصان پہچانا ہے۔

۵۔ مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے قیام اور قدرے استحکام حاصل ہونے کے بعد سب سے پہلے اجتماع یعنی حج اکبر میں حکومت اسلامی کی طرف سے کچھ اعلانات ہوئے اور اس حکومت کی پالیسی اور خارجی امور کے متعلق بھی اعلانات ہوئے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اعلان یہ تھا۔

☆ براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عھدتم من المشرکین (۹/۱)۔

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے دست برداری ہے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا۔

پھر تیسری آیت شریفہ میں ارشاد ہوا۔

☆ اذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین و رسولہ (۹/۳)۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین کو امن دینے سے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام معاہدات اسلامی حکومت کے ساتھ تھے اور اسی حکومت کے نمائندے کی طرف سے یہ اعلانات ہو رہے ہیں لیکن انہیں اللہ اور رسول کے اعلانات کہا گیا ہے اور مدعا اس حقیقت کو بیان کرنے کا یہ ہے کہ تمام لوگوں پر بخوبی واضح اور مبرہن کر دیا جائے کہ اگرچہ یہ تمام احکامات حضورؐ کی طرف سے صادر ہو رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ اللہ کے احکام ہیں اس لئے کہ یہ نظام حکومت خداوندی کے مرکز کی طرف سے نافذ ہو رہے تھے۔

۷۔ نیز سورۃ حشر میں ارشاد ہوا۔

☆ للفقراء المھجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصدقون (۵۹/۸)

اور ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ سچے ہیں۔

یہاں اللہ اور رسول کی مدد کرنے سے مراد نظام خداوندی کی مدد ہے۔ اس سے چند آیات پہلے پیشتر اسی سورت میں فرمایا گیا ہے۔

☆ ذالک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ (۵۹/۴)

یہاں بھی اللہ اور رسول کو تکلیف دینے سے مراد اسلامی نظام کو نقصان پہچانا ہے۔

ایک آیت کریمہ اس بارے میں اتنی روشن و بین ہے کہ اس بات کے ثبوت میں حجتِ قاطعہ کا درجہ رکھتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

☆ ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفورا رحیما (۴/۱۰۰)۔

اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ

اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی جگہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کر کے جانے سے بجز اسلامی حکومت (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کے اور کوئی مفہوم نکل ہی نہیں سکتا اور اللہ اور رسول کی اصطلاح اسلامی حکومت کے لئے استعمال ہوئی ہے۔

اللہ اور رسول دو الفاظ ہیں لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کو اپنی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے جس کی اوپر مثالیں دی جا چکی ہیں اس لئے اس کے لئے دوسرے مقامات پر ضمیر واحد لا کر بخوبی واضح کر دیا ہے کہ یہ اطاعتیں دو نہیں بلکہ ایک ہے اور اس سے مراد اسلامی نظام کی مرکزی اتھارٹی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

☆ یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین (۹/۶۲)۔

یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو راضی کر لیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو اس کو راضی کریں۔

(ترجمہ اشرف علی)

یہاں اللہ اور رسول کے دو الفاظ ہونے کے باوجود ضمیر واحد آئی ہے۔ واحد ضمیر لا کر انہیں ایک ٹھہرانے سے صاف ظاہر ہے کہ جملہ اللہ اور رسول اصطلاح کے طور پر کسی ایک چیز کے لئے لایا گیا ہے جو ایک ہے اور دو نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

☆ اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ (۹/۷۴)۔

انہیں اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

یعنی اس واحد مرکزی نظام نے جو اللہ اور رسول نے اللہ کے حکم کے مطابق قائم کیا ہے۔ اس نے انہیں غنی کر دیا ہے۔ فضلہ میں ضمیر واحد لا کر دونوں الفاظ اللہ اور رسول کو بطور اصطلاح استعمال کر کے ایک قرار دیا ہے۔

نیز فرمایا۔

☆ یا یھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و رسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون (۸/۲۰)۔

اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی نہ کرو اور تم سن تو لیتے ہی ہو۔

اس آیت کریمہ میں ولا تولوا عنہ کی واحد ضمیر واضح کر رہی ہے کہ یہ دونوں اطاعتیں ایک ہی ہیں اور دو ہرگز نہیں ہیں۔

ان تیرہ آیات کریمات پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے واضح کرنا یہ مقصود تھا کہ قرآن کریم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کو ایک اطاعت قرار دیا ہے اور اس سے مراد اسلامی نظام کی مرکزی اتھارٹی ہے۔ اس سے مراد قرآن و حدیث کی اطاعت انفرادی طور پر کرنی نہیں ہے۔

سیکولر سٹیٹ اور اسلامی سٹیٹ کی ما بہ الامتیاز خصوصیت ہی یہ ہے کہ سیکولر سٹیٹ کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس میں مذہبی رسوم اور عبادات انفرادی طور پر ادا کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص

حکومت کے خلاف کوئی جرم (Crime) کرتا ہے تو وہ محض سٹیٹ کا مجرم ہے اس سے اللہ و رسول کی کوئی نافرمانی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص گورنمنٹ کے واجبات (Revenue) ادا نہیں کرتا تو اس سے اللہ و رسول کے ہاں کوئی محاسبہ نہیں ہے۔ اگر کوئی مجرم جرم کرنے سے پیشتر ہی ایسا انتظام کرلے کہ اسے جرم کی کوئی سزا نہ ملے' تو اسے جرم کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتی لیکن اسلامی حکومت کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ اس میں حکومت کا ہر جرم اللہ و رسول کے ہاں قابل مواخذہ ہے۔ جس طرح اسلامی حکومت کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے اسی طرح اسلامی حکومت کی نافرمانی' اللہ و رسول کی نافرمانی ہے۔ اسلامی حکومت کے جرائم (Crime) گناہ (Sin) بھی ہوتے ہیں۔ اس میں جرم اور گناہ (Crime اور Sin) ایک ہی ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومت کی یہی وہ اساس محکم اور العروۃ الوثقیٰ ہے جس پر اسلامی حکومت کے قیام کا انحصار ہوتا ہے اور اسی مواخذہ کی وجہ سے اس میں جرائم یا گناہ کم ہوتے ہیں اور اس مواخذہ کا تصور ختم کرنے کی وجہ سے ہی جرائم کی کوئی روک تھام نہیں ہو سکتی۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص سخت گرمی کے موسم میں روزہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے مکان میں بالکل تنہا ہے۔ ٹھنڈا پانی اس کے پاس مہیا ہے۔ پیاس کی سخت شدت محسوس کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ روزہ نہیں توڑتا۔ ایک ایک منٹ شمار کرتا ہے کہ افطار کا وقت آئے تو وہ روزہ افطار کرے۔ وہ پانی اس لئے نہیں پیتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ روزہ توڑنا گناہ ہے۔ حالانکہ کوئی حکومت اس کی نگرانی نہیں کر رہی ہے لیکن اللہ و رسول کی اطاعت اسے نافرمانی کرنے سے روکے ہوئے ہے' یہی شخص جب دفتر جاتا ہے تو وہاں غلط کام سرانجام دیتا ہے۔ اگر راشی ہے تو رشوت سے اجتناب نہیں کرتا۔ اگر یہ شخص تاجر ہے تو ہر طرح کا انکم ٹیکس چوری کرنے کا بندوبست کرتا ہے کیونکہ اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس کے ذہن نشین یہ بات ہو کہ اسلامی حکومت کی نافرمانی' اللہ و رسول کی نافرمانی ہے تو وہ جس طرح روزہ توڑنے سے اجتناب کرے گا اسی طرح وہ حکومت اسلامی کی خلاف ورزی کو بھی اللہ و رسول کی نافرمانی سمجھ کر اس سے مجتنب رہے گا۔ یہی وہ جذبہ ہے جو اسلامی حکومت کی اساس محکم ہے۔ جو شخص زکوٰۃ دیتا ہے وہی شخص لازماً حکومت کے Revenue ادا کرے گا۔ بس صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اسلامی حکومت کے Revenue ہی زکوٰۃ ہوتے ہیں حکومت کے واجبات اور زکوٰۃ کو الگ الگ دو مدات شمار کرنا درست نہیں ہے۔ لوگ زکوٰۃ کو مذہبی فریضہ سمجھ کر خود بخود ادا کر دیتے ہیں۔ لیکن حکومت کے واجبات روک رکھنا برا نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ثنویت ہے جو حکومت اور مسجد کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے اور جس کو ختم کرنے کے لئے اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے۔ جو حجاج صاحبان حج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں وہ نہایت نیک نیتی سے حج کے سارے ارکان ادا کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کے دھوکہ' جھوٹ کو ملوث نہیں ہونے دیتے۔ لیکن جب حج کے سلسلہ میں قرعہ اندازی ہوتی ہے اور حج پر جانے کے لئے نام نکلوانے ہوتے ہیں تو وہ ہی حجاج اس میں دھوکہ اور جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جھوٹ حکومت سے کر رہے ہیں اللہ و رسول سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور حج کے ارکان' اللہ و رسول کی خوشنودی کی خاطر کر رہے ہیں اس لئے اس میں کسی قسم کی نافرمانی نہیں ہونے دیتے۔

دنیا کا باطنی اضطراب اور فطرت کے تقاضے انسانیت کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ انسان کے خود ساختہ گذشتہ نظامہائے حکومت کو ترک کرے اور ایسا نظام اختیار کرے جس سے دنیا کو سکون اور امن حاصل ہو سکے۔ جن اقوام کے سامنے قرآن کریم نہیں ہے اور جو وحی الٰہی کی ضرورت کے قائل نہیں ہیں ان کے پاس تو بجز اسکے کوئی چارہ ہی نہیں کہ وہ انہیں نظاموں میں کچھ ردوبدل کر کے ان کو

ہی جاری رکھیں لیکن ہم مسلمانوں کی پوزیشن مختلف ہے۔ ہمارے سامنے اصولی طور پر دو امور بہت اہمیت کے حامل ہیں اور ان پر کام کرنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عقلی طور پر یہ بات ثابت کی جائے کہ عقل انسانی اپنے مسائل خود حل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ وحی الٰہی کے نور سے مستنیر نہ ہو۔ انسانیت ہزار جتن کرے لیکن وہ کوئی قابل ستائش نظام بنا ہی نہیں سکتی۔ یہ بات خود مسلمانوں کے ذہن نشین بھی کرائی جائے اور غیر مسلم اقوام کے سامنے بھی اور دوسری بات یہ ہے کہ عالم انسانیت جن مسائل و مصائب سے آج دوچار ہے ان کی نشاندہی کر کے ان کا حل قرآن کریم سے پیش کیا جائے۔ جو بہت واضح اور قابل عمل ہو۔ قرآن کریم اپنے کمال اور کفایت کا مدعی ہے۔ اس نہج پر کام کرنے سے ان دعاوی کے دلائل فراہم ہوتے ہیں اور ان دعاوی کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ کام بہت مشکل اور ہمت طلب ہے اور ان ہی لوگوں کے بس کا ہے جنہیں موجودہ علوم پر مہارت تامہ ہو اور موجودہ دور کے مسائل و مصائب سے بخوبی واقف ہوں۔ جو شخص موجودہ دور کے مسائل سے آگاہ ہو گا وہی ان کا حل قرآن کریم سے تلاش کر سکے گا۔ جسے آج کے مسائل اور انسانیت کی مشکلات کا ہی علم نہیں ہو وہ ان کا حل قرآن سے تلاش نہیں کر سکتا۔

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر

عملی طور پر اس کی مثال ربوٰ کی حرمت ہے۔ ربوٰ کی حرمت پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ ربوٰ کے نظام سے جو تباہیاں انسانیت کو ہوئیں۔ ان کو واضح کیا جائے اور اس کے بغیر معاشی نظام چلانے کا نقشہ پیش کیا جائے۔ جب تک عملاً کوئی معاشی نظام ربوٰ کے بغیر پیش نہیں کیا جائے گا قرآن کریم کے دعویٰ کی تصدیق نہیں ہو گی۔

زمانہ کے تقاضوں سے مجبور ہو کر مسلمانوں کے تقریباً بیشتر ممالک میں اسلامی نظام قائم کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں جو بہت خوش آئند بات ہے۔ قرآن کریم نے جو دعاوی کئے ہیں وہ دعاوی عملاً اسی نظام میں پورے ہوتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق قائم کیا جائے۔ اسی نظام کی وابستگی سے امت کی فلاح و نجات وابستہ ہے۔ لیکن اس کے قائم کرنے میں چند دشواریاں جو پیش آ رہی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی دشواری یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے سامنے اس کا تصور قرآن کے مطابق نہیں ہے جس جس جگہ یہ نظام قائم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس میں ملوکیت سے متاثر شدہ تصور کے مطابق یہ نظام قائم کیا جا رہا ہے اور اللہ اور رسول کی اطاعتیں دو شمار کر کے قرآن و حدیث کی اطاعتوں کو پیش نظر رکھا جا رہا ہے۔ یہی صورت حال ایران، سوڈان، الجیریا میں ہے اور یہی صورت حال پاکستان میں ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کے لئے قرآن کی اطاعت کر لی جائے اور رسول کی اطاعت کے لئے احادیث کی اطاعت کر لی جائے اور اس طرح عملاً رسول کا ترجمہ احادیث قرار پاتا ہے۔ حدیث کا موضوع بہت جذباتی ہے لیکن اس موقف پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ اولاً یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ہم جن کتب کو احادیث کے مجموعے قرار دیتے ہیں وہ حقیقتاً احادیث کے مجموعے ہیں ہی نہیں۔ وہ روایات ہیں جو بالمعنی نقل کی گئی ہیں۔ ان کے شروع میں روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آخر میں او کمال قال علیہ السلام اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ وہ روایات ہیں اور وہ بھی روایت باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی ہے۔ ان کا نام احادیث رکھنا محض ان کا تقدس بڑھانے کے لئے ہے۔ نیز یہ کہ یہ سب مجموعے حضورؐ سے ڈھائی سو سال بعد وجود میں آئے اور ان مجموعوں سے پیشتر بھی اطاعت رسول ہو رہی تھی اور یہ مجموعے مختلف فرقوں کے مختلف ہیں۔ اس لئے مختلف فرقوں کی اطاعتِ رسول بھی مختلف ہے۔ جس سے آپس میں اختلاف ہوتا

ہے اور فرقہ بندی تک نوبت آتی ہے۔ جو قرآن کریم کی رو سے شرک ہے۔ اس لئے رسول کی اطاعت کا ترجمہ روایات کی اطاعت کرنا درست نہیں ہے جس سے دو اطاعتیں وجود میں آتی ہیں جو قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے جب بھی قرآنی نظام قائم کرنا ہو گا اس کا وہی صحیح تصور پیش نظر رکھنا ضروری ہو گا جو سابقہ صفحات میں ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت اسلامی حکومت کے حاکم اعلیٰ (مرکزی اتھارٹی) کی ہی اطاعت ہے۔

اسلامی نظام کو قائم کرنے میں دوسری دشواری فقہ کا تعین اور اس کا اجراء ہے۔ ایران میں فقہ جعفری نافذ کیا گیا ہے اور ہمارے پاکستان میں فقہ حنفی جاری کرنے کا مطالبہ ہے۔ ہم مسلمانوں میں یہ دونوں فقہیں آج سے ایک ہزار پیشتر بنی عباس کے دور میں مرتب کی گئی تھیں۔ بنی عباس کا دور ملوکیت، پیشوائیت، آمریت، کا دور تھا۔ جب یہ قوانین مرتب کئے گئے تو یہ قوانین بھی ان حالات سے متاثر ہوئے اور ان قوانین میں ملوکیت، پیشوائیت کے حقوق کا تحفظ کیا گیا جب کہ عورتوں، اقلیتوں، مزدوروں، غریب طبقہ، کسانوں، بچوں کے حقوق کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا۔ عقل انسانی ایک ہزار سال پیشتر جو سوچ سکتی تھی اس کے مطابق ہی قوانین وضع کئے گئے۔ آج سے ایک ہزار سال پیشتر جو قوانین مغرب میں بنائے گئے تھے وہ بھی بربریت پر مشتمل تھے۔ لیکن جوں جوں علوم میں اضافہ ہوا اور رواداری بڑھی، اسی قدر قوانین بھی مبنی بر عدل اور لچک دار ہوتے چلے گئے۔ ہمارے فقہ بھی انسانوں کے ہی تیار کردہ ہیں ظاہر ہے وہ بھی اسی دور سے متاثر ہیں۔ اس لئے ان کا نفاذ اس موجودہ دور میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وحی چونکہ علم الٰہی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تو زمانہ کے اثرات سے بالکل محفوظ ہوتی ہے لیکن عقل انسانی کی یہ صورت نہیں ہے وہ اپنے دور سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم ہو وہ اپنے دور سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے قوانین اسی وجہ سے ان ادوار سے متاثر ہیں اور ان ہی ادوار کے لئے بنائے گئے تھے۔ آج انسانیت جن مسائل سے دوچار ہے وہ مسائل اس دور میں تھے ہی نہیں۔ آج کے مسائل کا حل عقل انسانی، وحی الٰہی کی حدود میں رہ کر خود تلاش کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر عرض ہے کہ ترکی کی حکومت مسلم سٹیٹ ہے، کیونکہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن وہ اسلامی سٹیٹ نہیں ہے۔ اسی طرح بنی عباس کی حکومت بھی مسلم سٹیٹ تھی وہ اسلامی حکومت نہیں تھی۔ بادشاہت کا ہونا خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اسلامی حکومت نہیں تھی بلکہ غیر اسلامی حکومت تھی۔ غیر اسلامی حکومت کے قوانین اسلامی قوانین ہرگز نہیں ہو سکتے، اس لئے ہماری موجودہ فقہیں اسلامی فقہیں نہیں ہیں۔ بلکہ ملوکیت کے تیار کردہ قوانین کے مجموعے ہیں، اس لئے اسلامی حکومت میں انہیں جاری کرنا ضروری نہیں لیکن چونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت جب ہی قائم ہو گی جب وہ قوانین جاری ہوں، اور وہ قوانین آج کے دور کے مطابق نہیں، اس لئے اسلامی حکومت کا قیام مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ قرآن کریم نے کچھ قوانین خود عنایت فرمائے ہیں۔ ان کو من وعن جاری کرنا لازمی ہو گا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے اصول عطا فرمائے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہر دور کے مطابق جزوی قوانین وضع کرنے ہوں گے اور ہر دور کے مطابق جزئیات طے کرنا ہوں گی۔ اسی طرح ہر دور کی اسلامی حکومت وہ قوانین قرآن کریم کی حدود میں رہ کر مستنبط کر کے ان کو جاری کرے گی اور ان قوانین کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے مترادف ہو گی۔

اس کے علاوہ جو دشواری اسلامی حکومت قائم کرنے میں ہوتی ہے وہ روزمرہ کی معاشرت اور قرآنی قوانین میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم ایک خاص مقام اور ایک خاص عہد میں نازل ہوا اور اسی مقام پر اس کے احکامات وقوانین

کے مطابق اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ عرب ہی اس کے اولین مخاطب تھے اور انہیں ہی بطور خمیر Nucleus استعمال کیا گیا تھا۔ عربوں کی سوسائٹی بہت سادہ اور Primitive Stage پر تھی۔ قرآن کریم کے قوانین وہاں رائج ہوئے۔ عربوں کے جو دستور، عادت، رسم و رواج قرآن کریم کے خلاف تھے انہیں قرآن نے ختم کرا دیا۔ باقی رسوم عربوں میں قائم رہیں لیکن وہ رسوم دین کا حصہ نہیں تھیں۔ وہ ایک خاص وضع کا لباس استعمال کرتے تھے، خاص وضع کا کھانا کھاتے تھے، ان کے طور طریقے ان کی آب و ہوا اور حالات کے مطابق تھے چونکہ حضورؐ انہیں میں پیدا ہوئے اس لئے ظاہر ہے کہ وہی طرز زندگی آپ نے اختیار فرمائی۔ وہی وضع قطع، وہی لباس، وہی خورونوش کے طور طریقے آپ نے اختیار فرمائے لیکن ان تمام چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ حضورؐ کے ذاتی میلانات، رجحانات، ترجیحات اور روزمرہ کے معمولات کا کوئی تعلق دین سے نہیں ہے نہ ہم مسلمان ان کے اتباع کے مکلف ہیں۔ حضورؐ نے جو امور دین کی ترویج، توسیع، استحکام اور دین کے اتباع میں اختیار فرمائے ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے لیکن حضورؐ کے ذاتی معمولات کا اتباع ہم پر لازم نہیں۔ دین کے اتباع میں حضورؐ نے جہاد فرمایا، زکوٰۃ دی، صلوٰۃ قائم فرمائی، روزہ رکھا اور دیگر امور جو دینی تھے اور حضورؐ نے سرانجام دیئے ان کا اتباع ہم پر لازمی ہے لیکن حضورؐ کے ذاتی معمولات اور امور کا اتباع لازمی نہیں، حضورؐ اگر کسی دن چاول تناول فرماتے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ مدینہ شریف میں سب صحابہؓ اس دن چاول تناول فرماتے۔ یہ حضورؐ کا ذاتی رجحان تھا۔ ان امور کا کوئی تعلق دین سے نہیں اور نہ ہی یہ سنت کے زمرہ میں آتے ہیں۔

سنت حضورؐ کے دینی امور پر مشتمل ہے۔ سورہ الممتحنہ (۶۱/۱۲) میں حضورؐ کو عورتوں کے متعلق حکم ہوا کہ اگر وہ چوری، زنا، قتل اولاد وغیرہ کے جرم کی مرتکب نہ ہوں نیز معروف میں حضور کی نافرمانی نہ کریں تو حضور ان کو بیعت کر لیں۔ یہاں حکم صرف معروف میں اطاعت کرنے کا آیا ہے۔ اسلامی حکومت کے وہ احکام جو وہ وقتاً فوقتاً جاری کرتی رہتی ہے معروف کہلاتے ہیں۔ مثلاً اگر حکومت اعلان کرے کہ دفاتر کے اوقات صبح 9 بجے سے شام 4 بجے تک ہوا کریں گے۔ تو یہ معروف کہلائیں گے۔ حکومت نے اعلان کیا کہ اس سال جہاز یا ریل کے کرایہ میں اتنا اضافہ ہوا ہے اور ہر شخص اس شرح سے ٹکٹ خرید کرے، تو یہ معروف میں شمار ہوگا۔ سورہ ممتحنہ کی اس آیت میں یہ حکم ہوا کہ حضورؐ جو احکامات، یعنی معروف جاری فرما رہے ہیں اگر ان کا اتباع خواتین کریں تو حضور ان کو بیعت فرمالیں اور حضور کے ذاتی معمولات کا اتباع ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ اسی طرح سورہ احزاب میں حضرت زیدؓ کے واقعہ کے ضمن میں حضرت زیدؓ نے حضورؐ کی مرضی کے خلاف حضرت زینبؓ کو طلاق دی لیکن قرآن کریم نے اس کے باوجود ان کے لئے انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ (۳۳/۳۷)۔ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جس سے واضح ہے کہ حضور کی ذاتی اطاعت ان کے لئے فرض نہیں تھی۔ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف، سنت، کے مفہوم میں توسیع کرنے سے دقت یہ ہوتی ہے کہ اس دور کے حالات، طور طریقے، عادات، لباس وغیرہ اپنانا ضروری سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی نہ صرف جامد (Static) ہو جاتی ہے بلکہ اسی طرح کی سادی اور اتنے عرصہ پیچھے چلی جاتی ہے جو اس دور میں اپنانی مشکل ہو جاتی ہے اور اسلامی حکومت قائم کرنے میں بڑی رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔ قرآنی اقدار کے اندر رہ کر لچکدار، ترقی پسند، وسیع النظر، تنوع پذیر، Flexible معاشرہ قائم کرنا زیادہ آسان اور زیادہ ممکن ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ سنت کی وہی تعبیر کی جائے جو قرآن کریم کی رو سے واضح ہے۔

سابقہ صفحات میں جو گزارشات کی گئی ہیں ان کا ملخص یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال اور بدحالی کا علاج صرف قرآنی نظام کے قیام سے وابستہ ہے اور اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کو ایک اطاعت خیال کیا جائے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اسلامی نظام کے حاکم اعلیٰ کی اطاعت کو اللہ و رسول کی اطاعت شمار کیا جائے اور معاشرے کو قرآن کریم کی اقدار کے اندر رہتے ہوئے وسعت پذیر، لچکدار، آزاد رکھا جائے تاکہ اس کے قائم کرنے میں سہولت ہو۔

نیز مسلمانوں پر یہ ثابت کرنا کہ اسلامی حکومت کا قیام ہر مسلمان کے لئے فرضِ عین ہے اور حقِ حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

وھھنا منا تم الکلام
علی مصطفنا الوف سلام

ENJOY YOUR STAY AT
HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.
Near Railway Station - Lahore

All Comforts Available:
- T.V. & Fax
- Air-Conditioned
- Telephone Exchange
- Car Parking
- Excellent Service

Ph:92-42-6315647-52–FAX:92-42-6366029

کراچی میں
طلوع اسلام ٹرسٹ کی مطبوعات
محترم آصف جلیل (فون نمبر 5801701) موبائل (0333-2121992) کے ہاں بھی دستیاب ہیں
گھر تک پہنچانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔
طلوع اسلام کے پرانے شمارے مفت حاصل کریں

متفقین تحریک طلوع اسلام کے نام نمائندہ بزم لاہور کا

کھلا خط

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بزم طلوع اسلام لاہور جو ایک مرکزی بزم ہے، سالہا سال سے یہ محسوس کر رہی ہے کہ وہ اپنے دفتر کے لئے مالکانہ حقوق پر کسی مناسب جگہ کا انتظام کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مبلغ تیرہ چودہ لاکھ کی کثیر رقم مطلوب ہو گی لہٰذا اس کے لیے آپ کا عملی تعاون اشد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وہ احباب جو معاشرتی اعتبار سے اپنی ذمہ داریوں سے کافی حد تک عہدہ برآ ہو چکے ہوں اور ان کے پاس مالی وسائل (خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، زرعی زمین کی شکل میں ہو یا کسی سکنی پلاٹ کی شکل میں) اور وہ انہیں اس پروگرام کی تکمیل کے لیے پیش کر سکیں تو ان کی یہ مالی امداد ہمارے اس پراجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً ممد و معاون ثابت ہو گی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نمائندہ بزم لاہور کا پیشگی شکریہ قبول کیجئے۔

رقم بذریعہ چیک یا بنک ڈرافٹ ارسال کرتے وقت یہ وضاحت ضرور کر دیں کہ مذکورہ رقم بزم طلوع اسلام لاہور کے بلڈنگ فنڈ میں ارسال کی جا رہی ہے۔ اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر 7-3082،

نیشنل بنک، مین مارکیٹ، گلبرگ لاہور

رابطے کے لئے منتظر

محمد اشرف ظفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لغات القرآن

ص ل و (ی)

اگرچہ صلوٰۃ اور اس کے جملہ مشتقات کا تعلق (ص۔ل۔و) ہی سے ہے لیکن علمائے لغت نے اس ضمن میں بعض ایسے مشتقات بھی بیان کئے ہیں جو (ص۔ل۔ی) سے متعلق ہیں اور ان سے بھی صلوٰۃ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے' اس لئے اس عنوان میں مادہ کے آخر کا ''واؤ'' اور ''ی'' دونوں ہی آ گئے ہیں۔ ویسے ہم نے (ص۔ل۔ی) کا ایک جداگانہ عنوان بھی رکھا ہے جو آگے آتا ہے۔ چونکہ ''صلوٰۃ'' دین کا ایک بنیادی گوشہ ہے اور قرآن کریم میں یہ اصطلاح اور اس کے متعلقات بڑی کثرت سے آئے ہیں اس لئے یہ عنوان بڑا اہم' اور اس کے مباحث خاص غوروفکر کے محتاج ہیں۔ ہم انہیں نسبتاً تفصیل سے بیان کریں گے۔

(۱) اَلصَّلاَ پشت کا درمیانی حصہ۔ کولھے کا ڈھلوان یا وہ حصہ جس پر جانور کی دم لگے۔ دم کے دونوں جانب کے حصے صلوان کہلاتے ہیں۔ اس کی جمع صلوٰت یا اصلاء آتی ہے (تاج)۔ صلا۔ یصلو۔ صلوا کے معنی ہیں صلا (مذکورہ صدر حصہ) پر مارنا۔ صلوتہ۔ میں نے اس کے صلا پر مارا۔

(۲) الصلا کی نسبت سے صلی الفرس تصلیۃ اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑ دوڑ میں' دوسرے نمبر کا گھوڑا' پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہوں کہ پچھلے کی کنوتیاں' پہلے کی سرین سے مل رہی ہوں۔ اس گھوڑے کو جو آگے جا رہا ہو' سابق کہتے ہیں اور دوسرے نمبر والے گھوڑے کو المصلی۔ اس سے صلی کے معنی ہیں اگلے کے ساتھ ملے ہوئے پیچھے پیچھے آنا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی ایک روایت میں ہے سبق رسول اللہ۔ و صلی ابوبکر و ثلث عمر و خبطتنا فتنۃ۔ ''رسول اللہؐ پہلے تشریف لے گئے اور آپ کے پیچھے پیچھے ابوبکرؓ اور ان کے پیچھے عمرؓ بھی چلے گئے اور ہمیں فتنوں نے بدحواس کر دیا (تاج)''۔

(۳) تاج میں ہے کہ صلی و اصطلی کے معنی لزوم یعنی وابستگی کے ہیں۔ یعنی کسی کے ساتھ لگے رہنا اور چمٹے رہنا۔ اسی بنا پر راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں جو ہے لم نک من المصلین (۷۴/۴۳)۔ ''ہم مصلین میں سے نہیں تھے''۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ''ہم انبیاء کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے''۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جہت سے صلوٰۃ کے معنی ہونگے احکام الٰہی سے وابستگی۔ حدود اللہ کے اندر رہنا اور

کتاب اللہ سے چمٹے رہنا۔لہٰذا تصلیۃ کے معنی ہیں اگلے کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں میں فاصلہ نہ ہو لیکن پیچھے چلنے والا آگے جانے والے سے آگے نہ بڑھے بلکہ وابستگی سے اس کا اتباع کرے۔

(۴) ان تصریحات سے صلوٰۃ کا بنیادی مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔لیکن اس کے سمجھنے کے لئے پہلے ایک مختصر سی تمہید کا سمجھ لینا ضروری ہے۔سوال یہ ہے کہ خدا اور بندے کا تعلق کیا ہے؟ خدا، اس ذات (Personality) کا نام ہے جو بلند ترین، مکمل ترین، مستحکم ترین، اور حسین ترین ہے۔ اس نے انسان کو بھی ذات (Personality) عطا کی ہے (اور اسے "روحنا" کہہ کر پکارا ہے۔دیکھئے عنوان روح)۔یہ ذات، ذات خداوندی کے مقابلہ میں محدود اور پست درجہ کی ہے۔ اسے اپنی نشوونما کے لئے صفات خداوندی کو اپنے سامنے بطور نصب العین رکھنا ہوتا ہے۔ہم خدا کی ذات کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتے البتہ اس نے اپنی جو صفات وحی کے ذریعہ (قرآن کریم میں) بیان کی ہیں ان صفات کا اپنے اندر اجاگر کرتے جانا انسانی ذات کی نشوونما کا موجب بنتا ہے۔قرآن کریم نے صفات خداوندی کو "الاسماء الحسنٰی" سے تعبیر کیا ہے۔لہٰذا انسان کا فریضہ یہ ہے کہ ان اسماء (صفات) خداوندی کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ کر ان کے پیچھے پیچھے چلتا جائے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت میں ہمیں جو دعا سکھائی گئی ہے (یعنی جس نصب العین کے حصول کو ہمارے لئے مقصد زندگی تجویز کیا گیا ہے) وہ یہ ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم (۱/۵)۔یعنی اس توازن بدوش راستے کی طرف راہنمائی کی تمنا جو ہمیں انسانیت کی منزل مقصود تک لے جائے اور سورہ ھود میں ہے ان ربی علی صراط مستقیم (۱۱/۵۶)۔"میرا رب صراط مستقیم پر ہے"۔یعنی جس صراط مستقیم پر چلنے کے لئے مومنین سے کہا گیا ہے وہ وہی راستہ ہے جس پر خدا کائنات کو چلا رہا ہے۔ہم اس راستے پر کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے سے چل سکتے ہیں۔لہٰذا صلوٰۃ کا بنیادی مفہوم ہے کتاب اللہ کے ساتھ پوری پوری وابستگی سے اپنے اندر (علی حد بشریت) صفات خداوندی کا منعکس کئے جانا۔

(۵) سورۃ نور میں ہے الم تر ان اللہ یسبح له من فی السموٰت والارض والطیر صفت۔ کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ (۲۴/۴۱)۔"کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ وہ ہے کہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرند بھی۔ ہر ایک اپنی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے"۔یعنی کائنات کی ہر شے اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو اچھی طرح جانتی ہے۔یہ ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے (اپنی فطری جبلت کی رو سے) جانتی ہے کہ اس کے فرائض منصبی کیا ہیں۔اسے کس راستے پر چلنا اور کس منزل تک پہنچنا ہے۔اس کی جدوجہد کے دوائر کون سے ہیں۔اسی چیز کو ان کی صلوٰۃ اور تسبیح ـ تعبیر کیا گیا ہے (تسبیح کے لئے دیکھئے عنوان س۔ب۔ح)۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کو ان چیزوں کا علم (حیوانات کی طرح) جبلی طور پر نہیں دیا گیا۔اسے یہ سب کچھ وحی کے ذریعے گیا ہے۔ جہاں تک اس کی طبعی ضروریات کا تعلق ہے، انسان چیزوں کا علم، عقل و فکر اور تجربہ و مشاہدہ سے حاصل کر سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کی "انسانیت" کے تقاضوں کا تعلق ہے یہ چیزیں کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔لہٰذا انسان کو یہ جاننے کے لئے اس کی "صلوٰۃ و تسبیح" کیا ہے، وحی کا ماننا اور جاننا ضروری ہے اور مقصد کی تکمیل کے لئے وحی کے دیے ہوئے پروگرام پر عمل کرنا ہے۔اسے قرآن کریم نے اقامت صلوٰۃ کی جامع اصطلاح تعبیر کیا ہے۔(و یقیمون الصلوٰۃ ۲/۳)۔یعنی قو

خداوندی کا اتباع کرنا۔

لیکن وحی کے دیئے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہونا (اقامت صلوٰۃ) انفرادی طور پر ممکن نہیں۔ یہ صرف اجتماعی نظام کے ماتحت ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کے لئے جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک اسلامی مملکت کا فریضہ ہی یہ بتایا ہے الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (۲۲/۴۱)۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے (زکوٰۃ کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ز۔ک۔و)۔ اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے"۔ انہی کو دوسری جگہ الراکعون الساجدون (۹/۱۱۲) کہا ہے۔ یعنی رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے۔ (رکوع اور سجدۃ کے لئے دیکھئے عنوانات ر۔ک۔ع اور س۔ج۔د)۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ اقامت صلوٰۃ اور امور مملکت کے لئے باہمی مشاورت کا اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اقاموا اصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم (۴۲/۳۸)۔ "وہ اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"۔ اور چونکہ جماعت مومنین کی زندگی کے تمام امور قوانین خداوندی (کتاب اللہ) کے مطابق سرانجام پاتے ہیں اس لئے سورۃ اعراف میں تمسک بالکتاب اور اقامت صلوٰۃ کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے (۷/۱۷۰)۔ لہٰذا اقامت صلوٰۃ سے مفہوم ہے ایسا نظام (یا معاشرہ) قائم کرنا جس میں تمام افراد قرآن کریم کے قوانین کا اتباع کرتے چلے جائیں اور یوں کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اس مقصد کی مزید وضاحت کے لئے قرآن کریم میں صلی کے مقابلہ میں تولی کا لفظ آیا ہے (۷۵/۳۰-۳۱)۔ تولی کے معنی ہیں صحیح راستہ سے روگردانی کرنا، گریز کی راہیں نکالنا، پھر جانا، منہ موڑ لینا۔ اس لئے صلی کے معنی ہوئے قوانین خداوندی کے مطابق صحیح راستہ پر چلتے جانا۔ نظام خداوندی کے متعین کردہ فرائض منصبی کو ادا کرتے جانا۔ علامہ حمید الدین فراہی نے اسی اعتبار سے کہا ہے کہ صلوٰۃ کے ایک معنی کسی کی طرف بڑھنے، رخ کرنے اور متوجہ ہونے کے ہیں (مفردات القرآن)۔ سورۃ علق میں ہے۔ أرءیت الذی ینھی عبدا اذا صلی (۹۶/۹-۱۰)۔ یعنی جب خدا کا بندہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ (مخالف) اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

ان فرائض منصبی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کو یہ محیط نہ ہو۔ چنانچہ سورہ ھود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ سے ان کی قوم نے کہا کہ اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد آبائونا او ان نفعل فی اموالنا ما نشؤ (۱۱/۸۷)۔ "کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا اختیار کئے چلے آرہے ہیں۔ یا ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں"؟ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ کیسی صلوٰۃ ہے جو معاشیات تک کو بھی اپنے دائرے کے اندر لے لیتی ہے۔ اس سے بھی صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ یعنی زندگی کے ہر شعبے میں، قوانین خداوندی کے مطابق عمل کرنے کا نام صلوٰۃ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (تفصیل اس اجمال کی کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو) بات سمٹ سمٹا کر یہاں آجاتی ہے کہ انسان اپنے معاملات کا فیصلہ اپنی مرضی (خواہشات اور جذبات) کے مطابق کرنا چاہتا ہے یا وحی خداوندی کے مطابق؟ اپنے تمام معاملات کو وحی خداوندی کے تابع رکھنے کا نام "اقامت صلوٰۃ" ہے۔ چنانچہ سورۃ مریم میں "اقامت صلوٰۃ" اور "اتباع جذبات" کو ایک دوسرے کے مقابل لا کر اس

مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے فخلف من بعدھم خلف اضاعو الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات.......... (۱۹/۵۹)۔(انبیائے کرام کے بعد)'' ایسے ناخلف پیدا ہو گئے کہ انہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے جذبات وخیالات (اپنی خواہشات) کے پیچھے چلنے لگ گئے'' گویا انسان کا اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا صلوٰۃ کو ضائع کر دینا ہے اور قوانین خداوندی کے پیچھے چلنا صلوٰۃ کا قائم رکھنا ہے۔ سورۃ انعام میں ''محافظت صلوٰۃ'' کو آخرت اور کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ (۶/۹۳)۔ اسی بنا پر ابن قتیبہ نے الصلوٰۃ کے معنی الدین کئے ہیں (القرطین۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۳' یہ معنی محیط اور اقرب الموارد نے بھی دیئے ہیں۔)۔ یعنی اقامت صلوٰۃ درحقیقت اقامت دین ہے۔

(۶) الصلّی کے معنی آگ اور ایندھن کے ہیں۔ اس سے صلی عصاہ علی النار کے معنی ہیں' اس نے اپنی لکڑی (لاٹھی) کو آگ دکھا کر نرم اور سیدھا کیا۔ سلب ماخذ کے اعتبار سے صلی کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اس نے آگ کو ہٹایا اور دور کیا۔ (روح المعانی)۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو صلوٰۃ کے معنی ہوں گے اپنی خامیوں کو رفع کرنا۔ صاحب المنار نے کہا ہے کہ صلوٰۃ قولاً وعملاً اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہم اپنی خامیوں کو رفع کرنے کے لئے' نقائص سے بالاتر ایک ذات (کی راہنمائی) کے محتاج ہیں۔ اسی جہت سے قرطبی نے کہا ہے کہ صلوٰۃ درحقیقت خدا کی محکومیت اور اطاعت کو کہتے ہیں۔

(۷) صلوٰۃ کے ایک معنی جھکانا اور کسی کو اپنی طرف مائل کرنا بھی ہیں (محیط۔)۔ اس جہت سے صلوٰۃ کا مفہوم ہو گا۔ کائنات کو مسخر کرنا اور اسے اپنے تابع فرمان بنانا۔

(۸) الصلوٰۃ کے ایک معنی تعظیم کے بھی ہیں (تاج)۔ یعنی اپنے عملی پروگرام سے کائنات کو نشوونما دینے والے (رب العالمین) کی عظمت کو ثابت کرنا۔ اس سے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا باہمی تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے مطابق ایسا پروگرام مرتب کرنا اور اس پر عملاً چلنا جس سے تمام نوع انسان کی نشوونما ہوتی جائے۔

(۹) صلوٰۃ کے جو مختلف مفاہیم اوپر بیان ہوئے ہیں' ان سے ظاہر ہے کہ ایک عبد مومن' زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانین خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے' وہ فریضۂ صلوٰۃ ہی کو ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وقت' مقام یا شکل کا تعین ضروری نہیں۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلوٰۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً

(الف) یایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق و امسحوا برء وسکم و ارجلکم الی الکعبین۔ (۵/۶)۔

''اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔'' اس کے بعد ہے کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تیمّم کر لیا کرو۔

(ب) سورۃ نساء میں ہے یایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ۔ حتیٰ تعلموا ماتقولون (۴/۴۳)۔

''اے ایمان والو۔ تم صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ درآنحالیکہ تم حالت سکر (نشہ یا نیند) میں ہو۔ تاآنکہ تم جو کچھ منہ سے کہو اسے سمجھو (کہ کیا

کہہ رہے ہو)''۔ اس کے بعد پھر تیمم کا ذکر ہے۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں مساجد میں جانے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ بحث الگ ہے)۔

(ج) نبی اکرمؐ سے ارشاد ہے کہ اذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیاخذوا اسلحتھم۔ فاذا سجدوا ولیکونوا من ورائکم۔ ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلّوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم..........(۴/۱۰۲)۔

''اور جب تو ان کے درمیان ہو۔ پھر ان کے لئے قیام صلوٰۃ کرے۔ تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو' اور چاہئے کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں' اور چاہئے کہ دوسرا گروہ جنہوں نے صلوٰۃ ادا نہیں کی وہ تیرے ساتھ صلوٰۃ ادا کریں۔ اور وہ اپنے بچاؤ (کا سامان) اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔'' اس کے بعد ہے فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم۔ فاذا طماننتم فاقیموا الصلوٰۃ..........(۴/۱۰۲)۔ ''پھر جب تم صلوٰۃ ادا کر چکو تو کھڑے' بیٹھے' لیٹے جس طرح جی چاہے اللہ کا ذکر کرو۔ پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو قیام صلوٰۃ کرو۔''

اس سے پہلی آیت یہ ہے فاذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ۔ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا..........(۴/۱۰۱)۔ ''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں تمہارے لئے حرج کی بات نہیں کہ تم صلوٰۃ کو کم کر لو اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار (مخالفین) تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔'' اس ضمن میں (۲/۲۳۹) بھی دیکھئے۔

صلوٰۃ کے کم کرنے کا طریق (۴/۱۰۲) میں بیان ہو چکا ہے۔

(د) سورہ مائدہ میں ہے و اذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوا ولعبا..........(۵/۵۸)۔ ''اور جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو (مخالفین) اسے ہنسی اور مذاق (کھیل) بنا لیتے ہیں۔'' سورۃ الجمعۃ میں ہے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون..........(۶۲/۹-۱۰)۔ ''جب جمعہ کے دن (یا اجتماع کے وقت) صلوٰۃ کے لئے بلایا جائے تو ''اللہ کے ذکر'' کی طرف جلدی آجایا کرو اور کاروبار کو چھوڑ دیا کرو۔ اگر تمہیں (اس کی اہمیت کا) علم ہو (تو تم اس حقیقت کو محسوس کر لو گے کہ) یہ تمہارے لئے (کس قدر) بہتر ہے۔ پھر جب صلوٰۃ ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور ''اللہ کا بہت ذکرو''۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔ اس کے بعد ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں جب کاروبار یا کھیل تماشہ نظر آجاتا ہے تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ ان سے کہو کہ جو کچھ اللہ کے ہاں سے تمہیں مل سکتا ہے وہ کھیل اور کاروبار سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (۶۲/۱۱)۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔ (نماز کا لفظ عربی زبان کا نہیں۔ پہلوی زبان کا ہے)۔ ان اجتماعات کے سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر سمجھنے

کے قابل ہے۔ جیسا کہ (ع۔ب۔د) کے عنوان میں وضاحت سے بتایا جائے گا' قرآن کریم کی رو سے ''خدا کی عبادت'' سے مفہوم اس قسم کی ''پرستش'' یا ''پوجاپاٹ'' نہیں جو عام طور پر اہل مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی رو سے ''عبادت'' کا مفہوم خدا کے قوانین و احکام کی اطاعت یا ''اللہ کی محکومیت اختیار کرنا ہے''۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی یہ محکومیت' زندگی کے ہر سانس اور کاروبار حیات کے ہر شعبہ میں اختیار کی جائے گی۔ اس کی عملی شکل وہ نظام مملکت ہے جو قرآنی اصولوں کے مطابق متشکل کیا جاتا ہے۔ اسی نظام کے حاملین کے متعلق فرمایا والذین استجابوا لربھم و اقاموا الصلوۃ و امرھم شوریٰ بینھم و مما رزقنھم ینفقون (۴۲/۳۸)۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نشوونما دینے والے کی اطاعت کرتے ہیں اور اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں۔ اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم انہیں دیتے ہیں وہ اسے (نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے) کھلا رکھتے ہیں''۔ ان آیات میں' اطاعت خداوندی' اقامت صلوٰۃ اور امور مملکت کے طے کرنے کے لئے باہمی مشاورت کا ارتباط غور طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ قوانین خداوندی کے نفاذ کے متعلق ضروری امور کا فیصلہ کرنے کے لئے باہمی مشاورت کی ضرورت ہوگی' اور مشاورت کے لئے اجتماعات بھی ضروری ہوں گے۔ وسیع معنوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اجتماعات بجائے خویش ''اقامت صلوٰۃ'' ہی کا ایک حصہ ہوں گے۔ لیکن ان اجتماعات میں ایک اور حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ (ر۔ک۔ع) اور (س۔ج۔د) کے عنوانات میں لکھا جا چکا ہے' انسان اپنے جذبات کا اظہار جسم کے اعضا کی محسوس حرکات سے بھی کرتا ہے' اور یہ چیز اس میں ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ اس سے یہ حرکات خود بخود سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ غم و غصہ' خوشی' تعجب' عزم و ارادہ' ہاں اور نہ' وغیرہ قسم کے جذبات اور فیصلوں کا اظہار' انسان کی طبعی حرکات سے بلا ساختہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی کیفیت جذبات عزت و احترام اور اطاعت و انقیاد کے اظہار کی ہے۔ تعظیم کے لئے انسان کا سر بلا اختیار نیچے جھک جاتا ہے۔ اطاعت کے لئے ''سر تسلیم خم'' ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے' اور محض (Formalism) کو کوئی وزن نہیں دیتا' لیکن جہاں کسی جذبہ کی روح اور حقیقت کے اظہار کے لئے (Form) کی ضرورت ہو' اس سے روکتا بھی نہیں' بشرطیکہ اس (Form) ہی کو مقصود بالذات نہ سمجھ لیا جائے۔ صلوٰۃ کے سلسلہ میں قیام و سجدہ وغیرہ کی جو عملی شکل ہمارے سامنے آئی ہے' وہ اسی مقصد کے لئے ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ان جذبات کا اظہار اجتماعی شکل میں ہو' تو اظہار جذبات کی محسوس حرکات میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے' ورنہ اجتماع میں انتشار ابھرتا دکھائی دے گا۔ احترام و عظمت' انقیاد و اطاعت اور فرماں پذیری و خود سپردگی کے والہانہ جذبات کے اظہار میں نظم و ضبط کا ملحوظ رکھنا' بجائے خویش بہت بڑی تربیت نفس ہے۔ یہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ

بے قراری ہے کس قرار کے ساتھ
جبر ہے دل پہ اختیار کے ساتھ

یہ ہے جذبات اطاعت و تسلیم کے اظہار کی وہ منضبط شکل (صلوٰۃ) جسے قرآن کریم' جماعت مومنین کی مجالس و مشاورت کا ضروری حصہ قرار دیتا ہے۔ (جس طرح آج کل ہمارے ہاں جلسوں کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کیا جاتا ہے اگرچہ یہ چیز محض رسماً ادا کر دی جاتی ہے)۔ (والذین استجابوا لربھم و اقاموا الصلوٰۃ۔ وامرھم شوریٰ بینھم) ان اجتماعات کی اہمیت کے پیش نظر' قرآن کریم نے انہیں کتابا موقوتا (۴/۱۰۳) کہا ہے۔ اس کے ایک معنی ہیں ''خاص طور پر مقرر کردہ فریضہ''۔ اور دوسرے معنی ہیں 'ایسا فریضہ جو وقت پر ادا کیا

جاتا ہے"۔ اجتماعات کے لئے وقت کی پابندی جس قدر ضروری ہے وہ ظاہر ہے۔ اسی لئے سورۃ الجمعہ کی جو آیت پہلے درج کی جاچکی ہے' اس میں خاص طور پر کہا گیا ہے کہ جب اس اجتماع کے لئے بلایا جائے' تو اسے تمام دیگر مصروفیات پر ترجیح دو۔ تمام کاروبار چھوڑ کر فوراً اس طرف آجاؤ اور جب تک اس سے فارغ نہ ہو جاؤ کسی اور کام کی طرف دھیان مت دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا امیر' تمہارے سامنے ضروری معاملات پیش کر رہا ہو' ان کی اہمیت سمجھا رہا ہو' اور تم کاروبار کے لئے باہر نکل جاؤ۔ (وتركوك قائما)۔

یوں تو جماعت مومنین کی ساری زندگی' دن رات' صبح شام' قوانین خداوندی کی اطاعت اور ان کے نفاذ کی تگ و تاز میں گزرتی ہے' لیکن اجتماعات کے لئے خاص اوقات کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ خواہ یہ اجتماعات معمولاً منعقد ہوں یا ہنگامی طور پر بلائے جائیں۔ ذہن انسانی کی توہم پرستیوں نے' جہاں زندگی کے اور گوشوں میں "سعد و نحس" کے افسانے تراشے تھے وہاں دن اور رات کے بعض اوقات کے لئے بھی اسی قسم کے تصور قائم کر رکھے تھے۔ سورج نکلتے وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے۔ زوال کے وقت یوں نہیں کرنا چاہئے۔ دن اور رات کے ملتے وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم نے جہاں اور توہم پرستیوں کا خاتمہ کر دیا وہاں اوقات کے سلسلہ میں بھی یہ کہہ کر بات واضح کر دی کہ دن اور رات میں نہ کوئی ساعت نحس ہے نہ سعد۔ اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے۔

جہاں تک اجتماعات صلوٰۃ کا تعلق ہے۔ اقم اصلوٰة لدلوك الشمس الى غسق اليل۔ و قران الفجر......(۱۷/۷۸)۔ تم "دلوك الشمس" سے رات کی تاریکی تک اقامت صلوٰۃ کر سکتے ہو اور صبح کے وقت کا قرآن بھی۔ (د۔ل۔ک) کے عنوان میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ "دلوک" میں' صبح سے شام تک کا سارا وقت آجاتا ہے' بالخصوص جب سورج کے بلند ہونے۔ نصف النہار تک پہنچنے' مائل بہ زوال ہونے اور غروب ہو جانے کی مختلف منازل کو (خاص طور پر) اس میں شامل کرنا مقصود ہو۔ ان مختلف منازل کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود' ان توہم پرستیوں کی تردید تھا جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ انہی کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ و اقم الصلوٰة طرفى النهار و زلفا من اليل (۱۱/۱۱۴)۔ "دن کے دونوں اطراف اور رات کے حصوں میں اقامت صلوٰۃ کرو"۔

ان اوقات کا ذکر تو خصوصیت سے لفظ صلوٰۃ کے ساتھ کیا گیا ہے' ویسے اقامت دین کے سلسلہ میں جماعت مومنین کی تگ و تاز کے سلسلہ میں (جسے قرآن کریم تسبیح وتحمید و تذکیر کے اصطلاحات سے تعبیر کرتا ہے) دن' رات کے تمام اوقات کا ذکر آیا ہے۔ دیکھئے (۳/۱۹۰)' (۲۰/۱۳۰)' (۵۰/۳۹)' (۵۲/۴۹) وغیرہ۔

سورۃ نور میں صلوٰة الفجر اور صلوٰة العشاء کا ذکر (ضمناً) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ تمہاری (Privacy) کے اوقات میں' اجازت لے کر کمرے کے اندر آیا کریں۔ یعنی من قبل صلوٰة الفجر و حين تضعون ثيابكم من الظهيرة ومن بعد صلوٰة العشا (۲۴/۵۸) "صلوٰة الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو اور صلوٰة العشاء کے بعد"۔ اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اجتماعات صلوٰۃ کے لئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے۔ جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔

جہاں تک صلوٰۃ میں کچھ پڑھنے کا تعلق ہے' یہ ہم دیکھ

چکے ہیں کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کیا پڑھ رہے ہو (۴/۴۳)۔ دوسرے مقام میں ہے ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا۔ وابتغ بین ذالک سبیلا (۱۷/۱۱۰)۔ ''اور اپنی صلوٰۃ کو نہ تو بلند آواز سے ادا کر اور نہ خاموشی سے۔ ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کر''۔ بعض لوگوں کا خیال ہے اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد عام دعا یا ذکر ہے۔ نماز نہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح نظر نہیں آتا۔ ''ذکر'' کے متعلق قرآن کریم میں بہ صراحت موجود ہے (۷/۲۰۵) کہ اسے خاموشی سے دل میں کرنا چاہئے۔ بہ آواز بلند نہیں۔ (ذکر سے مراد' قانون خداوندی کی یاد ہے)۔ اس لئے مندرجہ بالا آیت میں صلوٰۃ سے مراد ''نماز'' ہی ہو سکتی ہے۔ قرطبی نے اس کے معنی قرأت لکھے ہیں۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں صلوٰۃ سے مراد اجتماعات صلوٰۃ ہیں۔ (اس کے لئے فعل صلی۔ یصلی آتا ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں ''اقیموا الصلوٰۃ'' کہا ہے وہاں' بہ ہیئتِ مجموعی' اس سے مراد ہے' اقامتِ دین۔ (یعنی نظام خداوندی کی تشکیل و استحکام)۔ قوانین و احکام خداوندی کا اتباع۔ ان فرائض منصبی کی ادائیگی جو ایک عبد مومن پر عائد ہوتے ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر اس سے مراد ہیں اجتماعاتِ صلوٰۃ جو خود دین کے نظام کا جزو ہیں۔ متعلقہ مقامات میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہاں اقامت صلوٰۃ سے مقصود کیا ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں ''مصلین'' آیا ہے وہاں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ اس سے مراد جماعت مومنین (بہ ہیئت مجموعی) ہے یا صرف اجتماعات صلوٰۃ میں شرکت کرنے والے' اس لئے کہ قرآن کریم نے ان ''مصلین'' کا بھی ذکر کیا ہے جو شرف انسانیت کی بلندیوں پر ہیں (دیکھئے ۷۰/۲۲-۳۵)۔ اور ان کا بھی جن کے لئے تباہی ہے (۱۰۷/۴-۷)۔

(۱۰) صلی علیہ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں تعظیم کرنا۔ دعا دینا۔ حوصلہ افزائی کرنا۔ پروان چڑھانا۔ نشوونما دینا۔ کسی قسم کی خرابی یا فساد پیدا نہ ہونے دینا (راغب و تاج)۔

ان معانی کو سامنے رکھنے سے قرآن کریم کے ان مقامات کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے جن میں یہ مادہ علیٰ کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً سورۃ احزاب میں جماعت مومنین سے کہا گیا ہے ھو الذی یصلی علیکم و ملٰئکتہ........ (۳۳/۴۳)۔ ''خدا اور اس کے ملائکہ (کائناتی قوتیں) تمہاری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ تمہاری نشوونما کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ تمہاری کوششوں کو پروان چڑھاتے ہیں''۔ یہ ان مومنین کے متعلق ہے جن کی بابت دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ جب انہیں اقامت دین کے سلسلہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ ان سے گھبراتے نہیں۔ حوصلہ نہیں ہارتے' بلکہ ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اولٰئک علیھم صلوٰۃ من ربھم (۲/۱۵۷)۔ یہ لوگ خدا کے نزدیک مستحق تبریک و تہنیت ہیں۔ انہیں خدائی تائید و نصرت حاصل ہے۔ خدا ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ان کی کوششوں کو کامیاب بناتا ہے۔ انکی نشوونما کرتا ہے۔ یہ تو رہا عام جماعت مومنین کے متعلق۔ خود نبی اکرم ﷺ کے متعلق ہے کہ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی........ (۳۳/۵۶)۔ خدا اور اس کے ملائکہ نبی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اس کے بعد ہے۔ یایھا الذین امنوا۔ صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (۳۳/۵۶)۔ ''اے جماعت مومنین! تم بھی اپنے نبیؐ کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں اس کا ساتھ دو۔ اس کی کوششوں کو پروان چڑھانے میں اس کی مدد کرو اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کرو'' (۴/۶۵)۔ و تعزروہ و توقروہ

(۴۸/۹)۔ (تاکہ) تم اس کی مدد کرو۔ اس کی عزت وتوقیر کرو۔ مومنین کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے و عـزروہ و نـصـروہ (۱۵۷/۷)۔ "جنہوں نے اس کی تائید وتعظیم کی۔ اسکی مدد کی"۔ اس طرح کہ واتبعوا النور الذی انزل معه (۱۵۷/۷) "جو روشن (کتاب) ہم نے اس کے ساتھ نازل کی ہے اس کا اتباع کیا"۔ یہ ہے مومنین کی طرف سے صلوا علیه کے فریضہ کی ادائیگی کا طریق۔

یہ ہے خدا اور اس کے ملائکہ کی صلٰوت جماعت مومنین پر اور خود نبی اکرم ﷺ پر۔ اور یہ ہے جماعت مومنین کا صلوٰۃ وسلام نبی اکرم ﷺ پر۔ آپ نے غور فرمایا کہ صلوا علیه و سلموا تسلیما کا حکم کتنے عظیم عملی پروگرام کا متقاضی ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت سے اس دین کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کرنا جسے نبی اکرمؐ لے کر تشریف لائے تھے۔

دوسری طرف نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ جب جماعت مومنین کے افراد انفاق فی سبیل الله کے لئے تیرے پاس اپنی کمائی لے کر آئیں تو اسے قبول کر و صل علیهم۔ ان صلوتک سکن لهم (۱۰۳/۹)۔ اور انکی حوصلہ افزائی کر۔ اس لئے کہ تیری طرف سے حوصلہ افزائی (Encouragement)، تحسین وتبریک (Appreciation)' ان کے لئے موجب تسکین ہوتی ہے۔ وہ اس انفاق فی سبیل الله کو قربت عندالله وصلوت الرسول (۹۹/۹) کا موجب سمجھتے ہیں۔ یعنی قرب خداوندی کا باعث اور رسول کی طرف سے تحسین وتبریک اور حوصلہ افزائی کا موجب۔ ("قرب خداوندی" کے لئے ق۔ ر۔ ب کا عنوان دیکھئے)۔

(۱۱) لغت عبرانی میں صلٰوت یہودیوں کی عبادت گاہوں کو بھی کہتے ہیں۔ (۴۰/۲۲) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔

ماہنامہ طلوع اسلام

☆ طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔ ☆ پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ ☆ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔ ☆ اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	1000روپے	8000روپے
اندرونی ٹائٹل	800روپے	7000روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	600روپے	5000روپے
نصف صفحہ	400روپے	3000روپے
چوتھائی صفحہ	250روپے	2000روپے

☆ مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ ☆ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔ ☆ اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم دوست احباب توجہ فرمائیں۔۔ دین اسلام میں قتل مرتد کے موضوع پر انقلاب آفرین تحقیق۔

علامہ رحمت اللہ طارق کی بنیادی انسانی حقوق پر شہرۂ آفاق تصنیف

”قتل مرتد کی شرعی حیثیت“

☆170 صفحات، اعلیٰ سفید کاغذ، 4 کلر انتہائی خوبصورت ٹائٹل، قیمت پیپر بیک صرف 60 روپے، مجلد 75 روپے علاوہ محصول ڈاک☆

☆علم پھیلانے والے احباب کے لئے سرسیدؒ میموریل لائبریری کی خصوصی پیشکش☆ کم قیمت صرف 25 روپے☆

☆بذریعہ عام ڈاک -/35☆ بذریعہ رجسٹری 50 روپے☆ دیگر کم قیمت کتب کے لئے جوابی خط ارسال کریں☆

رابطہ کے لئے :- سرسیدؒ میموریل لائبریری، کالج سٹاپ، جی۔ٹی۔روڈ، باغبان پورہ، لاہور۔

فون نمبر **6824077-6854528**، ای۔میل ایڈریس: **sirsyedmemlib@hotmail.com**

عام قیمت پر مکتبہ اخوت الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور سے بھی دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆مہنگائی سے پریشان خواتین وحضرات کے لئے انتظامیہ **سرسید**ؒ میموریل لائبریری کی

فلاحی اسکیم ☆خالص ہومیو پیتھک علاج ☆مستقل مکمل شفاء ☆

مہنگی اشتہاری اور مرکب ادویات سے نجات ایک وقت میں ایک سادہ اور سستی دوا سے شفاء☆ خالص ہومیو پیتھک علاج میں 25 سالہ تجربہ کے حامل ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو تمام تکالیف تفصیل سے لکھیں☆ اور نسخہ/دوا معمولی اخراجات میں بذریعہ ڈاک حاصل کریں☆ جوابی لفافہ کے ساتھ خط لکھیں۔

﴿رابطہ کے لئے﴾

شعبہ فلاح، سرسیدؒ میموریل لائبریری، کالج سٹاپ، جی۔ٹی۔روڈ، باغبان پورہ، لاہور۔

فون نمبر **6824077-6854528**، ای۔میل ایڈریس: **sirsyedmemlib@hotmail.com**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری)

مقدمہ

(معارف القرآن، جلد اول)
(دوسری و آخری قسط)

نقائص تفسیر

گذشتہ صفحات میں ان خرابیوں کی طرف جو تفسیروں میں واقع ہوئیں ضمناً اشارات کئے گئے ہیں۔ اب میں ان کے بڑے بڑے نقائص کو تفصیل وار بیان کر دیتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلا نقص یہ ہے کہ ان مفسرین نے قرآن کی تشریح کے اصول مقرر نہیں کئے۔ علماء اصول نے جو قواعد لکھے ہیں اول تو وہ مخصوص قرآن فہمی کو پیش نظر رکھ کر نہیں مرتب کئے گئے ہیں، بلکہ عام ہیں اور زیادہ تر ان کا تعلق الفاظ سے ہے، دوسرے ان کی بنا محض قیاس پر ہے جس میں ہر نقطہ پر اختلاف کی گنجائش اور غلطی کا احتمال ہے، تیسرے وہ صرف چند قاعدے ہیں جو بالکل ناکافی ہیں۔ زمانہ مابعد میں امام ابن تیمیہ نے جو ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور تھے، اس ضرورت کو محسوس کر کے اصول لکھنے شروع کئے، مگر نامعلوم وجوہ سے صرف تمہید ہی لکھ کر رہ گئے آخری زمانہ میں شاہ ولی اللہ مرحوم دہلوی نے اصول تفسیر میں ایک رسالہ فوز الکبیر لکھا ہے لیکن اس میں صرف بعض ایسے مطالب کی مختصر تشریحات ہیں، جن سے فہم قرآن میں مدد مل سکتی ہے، ان کو اصول نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ محدود ضوابط نہیں ہیں، جن سے کوئی مخصوص طریقہ تفسیر کا متعین ہو سکے، بلکہ وہ شاہ صاحب کے فہم قرآن کی نوعیت کو ظاہر کرتی ہیں اور بس۔

الغرض تفسیر قرآن کے اصول قطعاً مرتب نہیں ہو سکے ہیں، حالانکہ سب سے پہلا کام یہی تھا، اس لئے یہ تمام تفاسیر جو لکھی گئی ہیں، کسی علمی یا عقلی اصول پر مبنی نہیں ہیں چنانچہ ایک ممتاز مفسر علامہ فناری کا قول نقل کر چکا ہوں کہ ''تفسیر کے لئے بجز چند معمولی قاعدوں کے اصول مطلقاً نہیں ہیں جن پر اس کی جزئیات کا مدار ہو۔'' (مرآۃ التفسیر صفحہ ۸)

(۲) ان مفسروں نے قرآن کی تفسیر کا جو طریقہ رکھا ہے، وہ وہی ہے جس کے مطابق کسی انسانی کتاب کی تشریح کی جاتی ہے، یعنی فاتحہ سے شروع کر کے ایک ایک آیت کی سلسلہ وار تفسیر لکھتے چلے جاتے ہیں اور خاتمہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح آیات اور الفاظ کے معانی کی شرح تو ضرور ہو جاتی ہے مگر قرآن سمجھ میں نہیں آتا، یعنی اس کی کوئی تعلیم حل نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کی تعلیمات اس ترتیب اور ربط کے ساتھ نہیں بیان کی گئی ہیں، جس طرح انسانوں کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہیں، بلکہ اس کی ہر تعلیم متعدد سورتوں اور

آیتوں میں اس کے طول وعرض میں بتدریج اتاری گئی ہے۔ تاوقتیکہ کسی خاص مسئلہ کے متعلق تمام تعلیمات متفرق سورتوں سے نکال کر جمع نہ کرلی جائیں اور ان کو صحیح ترتیب کے ساتھ مرتب نہ کیا جائے' اس مسئلہ کی پوری قرآنی تعلیم ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتی' لہٰذا ان تفسیروں نیز ترجموں سے جو سلسلہ بسلسلہ آیات کے ساتھ چلتے ہیں' قرآنی تعلیمات کی توضیح نہیں ہوسکتی۔ فہم قرآن کے لئے ان تفسیروں کی نوعیت تقریباً وہی ہے' جو فن طب میں کتب مفردات کی ہے جن میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ دواؤں کے نام خواص' آثار اور بدل وغیرہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص ان کو پڑھ کر طبیب نہیں ہوسکتا۔ بجنسہٖ اسی طرح ان تفاسیر وتراجم کے مطالعہ سے بھی کوئی شخص حقائق قرآنی کا عالم نہیں ہوسکتا۔

(۳) اکثر تفاسیر میں آیات والفاظ کی تشریحات روایات سے کی گئی ہیں اور تفسیری روایات کی بابت ہم لکھ چکے ہیں کہ ان کا بڑا حصہ خود محدثین کے نزدیک موضوع ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل نے جن کے اوپر حدیث کی امامت منتہی ہوئی کہہ دیا ہے کہ تفسیری روایتیں تمام تر بے اصل ہیں۔ قصص میں اسرائیلیات لائی جاتی ہیں جو بیشتر ناقابل اعتبار ہیں یہی حال اسباب نزول کی روایتوں کا ہے۔ قدیم مفسروں نے ان روایتوں کے سلسلۂ اسناد بھی لکھے تھے جن سے صحیح اور غیر صحیح کی تمیز ہوسکتی تھی۔ مگر متاخرین نے ان کو بھی حذف کر دیا اور اپنی تفسیروں میں ان روایات کو بلا اسناد کے نقل کرنے لگے' جس کے باعث عوام میں ان کی حیثیت مسلمات کی سی ہوگئی اور بہت سی آیتوں کی غلط تفسیریں امت میں رائج ہوگئیں۔ یہی سبب ہے کہ جس قدر تفاسیر کی کثرت ہوتی گئی اسی قدر مسلمانوں کو قرآن کریم کی اصلی اور صحیح تعلیم سے بعد ہوتا گیا۔

(۴) ایک خاص شکایت یہ ہے کہ ان تفسیر نگاروں نے خود اپنے دماغوں سے بہت کم محنت لی ہے الاماشاءاللہ زیادہ تر متقدمین ہی کی باتیں اور روایتیں نقل کرتے چلے آئے ہیں بعض بزرگ تو اس قسم کے گذرے ہیں' جنہوں نے اپنی تفسیریں محض ثواب کا ذخیرہ اور جنت کا ذریعہ سمجھ کر لکھی ہیں' یعنی تقرباً الی اللہ خدام قرآن میں داخل ہوگئے' بحالیکہ ان کی تفسیروں میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی' جس پر کسی طالب قرآن کی زبان سے ان کے لئے مغفرت کی دعا نکلے' یا جو بوجھ اپنی تصنیف کا وہ پڑھنے والوں پر ڈال گئے ہیں' اس کی کوئی تلافی ہوسکے۔ بیشتر اسی قسم کی تفسیریں تھیں' جو معدوم یا متروک ہوگئیں' کیونکہ یہ حقیقت ہے' جس کو قرآن نے سکھلایا ہے کہ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض وہی چیز دنیا میں رہے گی جو لوگوں کے لئے نفع رساں ہوگی۔

جن لوگوں نے دماغ سے کام لیا ہے' ان میں سے اکثر ایسے ہیں' جنہوں نے اپنے اپنے خاص خاص عقیدوں کو موقع بے موقع قرآن کے ذریعہ سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے محض جدت طبع دکھائی ہے' مثلاً ابن فورک نے حضرت ابراہیم کے قول لیطمئن قلبی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قلبی ان کے ایک دوست تھے' یا کطی السجل الکتب کی تفسیر میں بعضوں نے کہا ہے کہ سجل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام تھا۔ حالانکہ تمام ائمہ حدیث وتاریخ متفق ہیں کہ اس نام کا کوئی صحابی نہیں ہے' یا مرج البحرین کی تفسیر علی وفاطمہ اور لولو والمرجان کی تفسیر حسنین رضی اللہ عنہم' یا الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین کی تفسیر میں صابر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صادق سے صدیق' قانت سے عمر فاروق' منفقین سے عثمان غنی اور

مستغفرین سے حضرت علی رضی اللہ عنہم۔غرض اسی طرح کی سینکڑوں آیات ہیں، جو ان حضرات نے مسخ کی ہیں۔[1]

(۵) یہ مفسرین بالعموم قرآن میں نسخ کے قائل ہیں، چنانچہ بہت سی محکم اور یقینی آیتوں پر بھی نسخ کے احکام لگاتے چلے جاتے ہیں، بلکہ جن لوگوں نے ناسخ اور منسوخ پر کتابیں لکھی ہیں، ان کی تو کوشش یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر ہو سکے نسخ دکھلائیں۔ان کے بیان کے مطابق نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ احکامی آیات منسوخ ہیں، غرض اس نسخ کے عقیدہ نے بھی تفسیروں کے اندر ایک عجیب پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔

(۶) یہ مفسرین بہت سی آیتوں کی تفسیر میں متعدد معانی اور مختلف اقوال نقل کرتے ہیں، مثلاً غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں دس قول ہیں والفجر ولیال عشر کی متعدد تفسیریں ہیں وشاھد و مشھود کی شرح میں کئی باتیں کہی گئی ہیں اصحاب الاخدو کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وہ اہل فارس تھے یا یمن کے باشندے تھے یا حبشی یا نجرانی یا شامی تھے۔[2] الغرض سینکڑوں الفاظ و آیات ہیں، جن کی کئی کئی تفسیریں یا، یا کر کے لکھتے چلے جاتے ہیں اور کسی ایک بات کو جزم و یقین کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ان میں سے صحیح مفہوم کے فیصلہ کی قوت خود ان کے اندر مفقود ہوتی ہے، حالانکہ صحیح مفہوم ایک اور صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ایسی تفسیروں سے بجائے اس کے کہ آیات کی توضیح ہو، وہ اور مبہم ہو کے رہ جاتی ہیں۔

(۷) ان مفسروں کو قرآنی حقائق کی جستجو کم اور غیر متعلق اور غیر ضروری باتوں کی تلاش زیادہ رہتی ہے۔جنت کا ذکر ہے، تو اس کے پیالوں اور آبخوروں کی تعداد کا شمار اور کوثر اور طوبیٰ کی پیمائش کریں گے۔دوزخ کے بیان میں اس کے طبقوں کی گہرائی اور سانپوں اور بچھوؤں کی درازی ناپیں گے۔جنگ بدر میں فرشتوں کے نزول کی حقیقت سمجھانے کے بجائے ان کے چہروں، گھوڑوں اور عماموں کے رنگ اور ان کی سواری و حملہ و قتال کی کیفیت لکھیں گے۔یاجوج و ماجوج کے تاریخی حالات بیان نہیں کریں گے، بلکہ کوئی لکھے گا کہ ان کے قد اس درخت سے مشابہ ہیں، جو ملک شام میں نظر آتا ہے اور جس کی بلندی ایک سو بیس گز ہوتی ہے اور کوئی لکھے گا کہ ان کا ایک کان اوڑھنا ہے اور دوسرا بچھونا۔اگر ان چیزوں کا موقع نہیں پائیں گے تو فصاحت و بلاغت کی لطافتیں دکھلانے لگیں گے یا خیالی فلسفیانہ بحثوں میں الجھ جائیں گے۔

یہ سات بڑے بڑے عیوب و اسقام جو میں نے گنائے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ موجودہ تفسیروں میں سے شاید ہی کوئی تفسیر ان سے خالی ہو۔ان کے علاوہ اگر ان تفاسیر کی چھوٹی چھوٹی جزئی خرابیوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

قرآن

یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ قرآن کامل اور مکمل کتاب اور دین کا مستقل دستور العمل ہے۔وہ اس قدر واضح اور روشن ہے کہ اللہ نے اس کو نور مبین کہا ہے۔

وانزلنا الیکم نورا مبینا o (۴/۱۷۵)

اور ہم نے جگمگاتا نور تمہاری طرف اتارا۔

نور خود بھی روشن ہوتا ہے اور ارد گرد کی چیزوں کو بھی روشن کر دیتا ہے۔یہی حال قرآن کا ہے کہ وہ واضح۔کھلا ہوا اور روشن ہے اور اپنے مطالب کی تشریح آپ کر دیتا ہے۔اس کی تلاش کے لئے کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں۔جیسے آفتاب کو چراغ سے

[1] تذکرۃ الموضوعات [2] تفسیر جامع البیان۔

نہیں ڈھونڈھا جاتا۔ وہ دین و دنیا کے ان تمام حقائق کی جن سے انسان کو ہدایت ملتی ہے اور قدیمی آسمانی کتابوں کی تمام ابدی تعلیمات کی توضیح اور تفصیل اپنے اندر رکھتا ہے۔

ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئی وھدی ورحمة و بشری للمسلمین ٥(١٦/٨٩)

اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ہر شے کی تشریح اور مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت اور بشارت ہے۔

ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل کل شئی وھدی و رحمة لقوم یومنون ٥ (١٢/١١١)

یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس میں پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں ہدایت اور رحمت ہے۔

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون الله ولکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل الکتاب لاریب فیه من رب العالمین ٥ (١٠/٣٧)

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس کو بنا لے بلکہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور الکتاب کی تفصیل ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

آیت بالا میں ''الکتاب'' سے مراد علم الٰہی ہے جس کو قرآن نے جابجا اسی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

الم تعلم ان الله یعلم ما فی السماء والارض ان ذالك فی کتاب (٢٢/٦٩)

کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ان سب چیزوں کا علم رکھتا ہے جو آسمان و زمین میں ہیں بیشک وہ لکھی ہوئی ہیں۔

اسی علم کو ''کتاب مبین'' فرمایا ہے۔

و یعلم ما فی البر و البحر وما تسقط من ورقة الا یعلمها ولا حبة فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ٥ (٦/٥٩)

وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کا علم رکھتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ ہے اور جو کچھ خشک و تر ہے وہ سب کتاب مبین (علم الٰہی) میں ہے۔

اسی ''کتاب مبین'' کو اللہ نے عربی قرآن بنایا۔

والکتاب المبین ٥ انا جعلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ٥ وانه فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم (٤٣/٢-٤)

اور کتاب مبین شاہد ہے کہ ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا تاکہ تم سمجھو اور وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں بڑے رتبہ والا اور حکمت والا ہے۔

کتاب مبین صحیفۂ فطرت ہے اور ام الکتاب جو کتاب مبین پر شامل ہے صحیفۂ کائنات ہے جس کا دوسرا نام لوح محفوظ ہے۔ عالم فطرت فعل الٰہی ہے کتاب مبین علم الٰہی ہے اور قرآن کریم قول الٰہی ہے اور یہ تینوں متحد ہیں۔

جس طرح صحیفۂ فطرت کے حقائق کی وسعت بے پایاں ہے اسی طرح قرآنی حقائق کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے اور انسانی نسلیں ابدالآباد تک بھی ان کو ختم نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن

ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کی ہدایت کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔

مزید توضیح کے لئے یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مصنوعات فطرت اور مصنوعات انسانی میں اس قدر بدیہی فرق ہے کہ ہر انسان بلا کسی قسم کے ریب اور شک کے ان دونوں میں امتیاز کر لیتا ہے۔ مثلاً زمین۔ دریا۔ اور پہاڑ اور جنگل کو دیکھ کر سب کو یقین کے ساتھ علم ہو جاتا ہے کہ یہ فطری چیزیں ہیں اور اگر زمین پر کوئی عمارت۔ یا پہاڑ میں کوئی بت یا دریا میں کوئی کشتی یا جنگل میں کوئی گاڑی نظر آئے تو ہر شخص بلا کسی اشتباہ کے سمجھ جاتا ہے کہ یہ انسانی ساخت ہے۔

درخت پر سے گرا ہوا پتہ۔ گھاس سے جھڑا ہوا ایک تنکا۔ چیونٹی کا ٹوٹا ہوا ایک پاؤں اور بھیڑ کا گرا ہوا ایک بال اگر سارے عالم کے ماہر اور کاریگر جمع ہو کر بھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ یہی فرق اللہ کے کلام اور انسان کے کلام میں ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ٥ (١٧/٨٨)

کہدے کہ اگر سارے جن وانس اس بات پر متفق ہوں کہ قرآن جیسا کلام بنائیں تو بھی ویسا نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

لیکن معنوی حقائق چونکہ عقلی چیزیں ہیں اس لئے یہ فرق سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتا بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور یہی امتیاز قرآن کا وہ زندہ معجزہ ہے جو جاودانی ہے اور اہل بصیرت پر سورج کی طرح نمایاں ہے۔ جن لوگوں نے آیات الٰہی کا اقوال انسانی کے سامنے موازنہ کر کے اس کے اعجاز دکھانے کی کوشش کی ہے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کس بے بصری میں مبتلا تھے۔

دوسرا فرق مصنوعات فطرت اور مصنوعات انسانی میں یہ ہے کہ فطرتی اشیاء کے منافع اور تاثیرات کی کوئی حد نہیں معین کی جا سکتی بلکہ ان کے متعلق جس قدر معلومات بڑھتی جاتی ہیں اس قدر ان کے افعال و خواص معلوم ہوتے جاتے ہیں۔ بخلاف انسانی مصنوعات کے جو ایک معین اور مخصوص غرض و غایت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور ان سے وہی نفع لیا جاتا ہے جس کو پہلے سے مدنظر رکھ کر وہ بنائی گئی ہیں۔ یہی کیفیت خالق اور مخلوق کے کلام کے مراتب کی ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے وہ کسی ایک ماحول۔ ایک زبان یا ایک مکان کے لئے نہیں ہے بلکہ ہر ماحول ہر زبان اور ہر مکان کے لئے ہے حقائق فطرت کے متعلق جس قدر انسان کا علم بڑھتا جائے گا' اسی قدر قرآنی حقائق بھی اس کی سمجھ میں آتے جائیں گے اور قرآن بھی فطرتی اشیاء کی طرح کسی زمانہ میں ختم ہو جانے والا اور تھک جانے والا نہیں ہے۔ بخلاف انسانی اقوال کے کہ ان کے معانی محدود ہوتے ہیں اور ان کی غرض معین۔

جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ عہد صحابہؓ میں قرآن بالکل سمجھ لیا گیا اور اب ہم کو انہی کی فہم پر قناعت کر لینا چاہئے وہ قرآن کی حقیقت سے آشنا نہیں ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا علم قرآنی اس لحاظ سے افضل ہے کہ انہوں نے اس کے عملی پہلو کو اختیار کیا اور جو کچھ سمجھا' یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا اس کی پوری تعمیل کی اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن صرف نظری کتاب نہیں ہے بلکہ عملی بھی ہے اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے ہی سے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے صحابہ کا درجہ عملی لحاظ سے اس قدر افضل ہوا کہ ساری امت مل کر بھی ان کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ جو لوگ فہم قرآن کو ان روایات میں الجھانا چاہتے ہیں جو صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں وہ

اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرآن کسی مخصوص ماحول کی کتاب نہیں ہے۔ اگر کسی ایک زمانہ میں وہ بالکل سمجھ لی گئی تو ختم ہو چکی اور آئندہ کے لئے نصاب نہیں رہی۔ لیکن وہ قیامت تک کے لئے دینی نصاب ہے اور ہر زمانہ میں نئی روشنی اس سے نکالی جا سکتی ہے۔ علاوہ بریں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے یہ روایات جن ذرائع سے آئی ہیں وہ اس قدر غیر یقینی اور مشتبہ ہیں کہ قرآن جیسی قطعی اور یقینی چیز کی تشریح کا مدار ان کے اوپر رکھنا اس کی قطعیت کو کھونا ہے۔

یہ خیال بھی کہ اس زمانہ میں جب آیات نازل ہوئی تھیں لوگ ان کے شان نزول سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اچھی طرح ان کو سمجھ لیا دراصل قرآن کے متعلق اسی غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ وہی ایک ہی زمانہ کی چیز ہے۔ قرآن کسی شان نزول۔ موقع نزول یا واقعۂ نزول کا پابند نہیں ہے اور اس کی ہدایات مخصوص زمان و مکان سے قطعاً وابستہ نہیں ہیں بلکہ بالاتر ہیں۔ ہماری تمام تفسیریں آغاز عہد سے اب تک یعنی امام ابن جریر طبری سے مفتی محمد عبدہ تک اسی قدامت پرستی کے نظریہ کے ماتحت لکھی گئی ہیں اور ان کا انداز بھی شروع سے لے کر آج تک ایک ہی ہے یعنی وہ سلسلہ بسلسلہ آیات کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اس طرح آیات اور الفاظ کی تشریح تو ضرور ہو جاتی ہے مگر قرآنی مسائل اور حقائق سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ وہ مسلسل نہیں بیان کئے گئے ہیں بلکہ مختلف سورتوں اور آیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے قرآن فہمی کے لئے یہ تفسیریں زیادہ کار آمد نہیں ہیں۔ ان تمام تفسیروں کا مفید حصہ جو ہو سکتا ہے وہ تقریباً اسی قدر ہے جس کو راغب اصفہانی نے اپنی کتاب المفردات میں جمع کر دیا ہے۔ بقیہ جو کچھ ہے وہ سلف کی آیات فہمی کی تاریخ ہے اور بس۔ اس میں سے ہم صرف اسی قدر لے سکتے ہیں جو قرآنی تشریح کے مطابق نکل آئے۔

اصول قرآن

اب ہم خود قرآن کریم ہی سے فہم قرآن کے وہ اصول بیان کرتے ہیں جو ہم نے اس سے اخذ کئے ہیں کیونکہ قرآن جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں مستقل کتاب ہے جو اپنی کسی بات میں بھی دوسری کسی چیز کی محتاج نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء (۳/۷)

اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

(۱)

قرآن فہمی کا اصل الاصول یہ ہے کہ اس کی بیان کی ہوئی جس حقیقت کی تفصیل مطلوب ہو وہ قرآن ہی سے نکالی جائے کیونکہ قرآن کی تفسیر اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔

ثم ان علینا بیانه (۷۵/۱۹)

پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ آیات قرآنی بیشتر محکمات ہیں۔ یعنی ان کے معانی قطعی اور متعین ہیں۔ تھوڑی سی متشابہات ہیں جن کے حقائق انسان کی علمی دسترس سے بالاتر ہیں مثلاً اللہ کی ذات، صفات، جنت، دوزخ اور میزان عمل وغیرہ جس کو تمثیل اور تشبیہ کے طور پر قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور جن کی اصل حقیقت سمجھنے سے انسان اس دنیا میں قاصر ہے۔ ان کے اوپر صرف ایمان کا مطالبہ ہے نہ کہ عمل کا۔ اس وجہ سے ان کی تفصیل

مطلوب نہیں ہے البتہ محکم آیات جوام الکتاب اور اصل قرآن کہی گئی ہیں ان کی تفصیلات اللہ ہی کی طرف سے کی گئی ہیں۔

کتاب احکمت ایاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر O(۱۱/۱)

یہ (مکمل) کتاب ہے جس کی آیتیں محکم بنائی گئی ہیں پھر حکمت اور خبر رکھنے والے اللہ کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔

یہ تفصیل علم کے ساتھ کی گئی ہے۔

ولقد جئنا ھم بکتاب فصلناہ علی علم (۷/۵۲)

ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے جس کی تفصیل ہم نے علم کے ساتھ کی ہے۔

یہ تفصیل اہل علم وفہم کے لئے ہے۔

قد فصلنا الایات لقوم یعلمون O (۶/۹۸)

ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لئے کی ہے جو علم رکھتے ہیں۔

قد فصلنا الایات لقوم یفقھون O (۶/۹۹)

ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لئے کی ہے جو فہم رکھتے ہیں۔

جس قدر انسان کا علم حقائق فطرت کے متعلق بڑھتا جائے گا اسی قدر وہ قرآنی تفصیلات زیادہ سمجھنے کے قابل ہو گا۔ اگر فہم معانی میں اختلافات واقع ہوں تو قرآن ان کو رفع کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ امور فطرت کے محققین میں کبھی کبھی نظریوں کا اختلاف واقع ہو جاتا ہے لیکن مزید غور وفکر سے رفتہ رفتہ آخر کار وہ مٹ جاتا ہے اور سب کے سب ایک حقیقت پر پہنچ کر متحد الخیال ہو جاتے ہیں۔

قرآنی آیات جو اکثر بہ تبدیل الفاظ وعبارات جا بجا الٹ پھیر کے بیان کی گئی ہیں ان میں ان کی تشریح مضمر ہے۔

وکذالك نصرف الایات ولیقولوا درست ولنبینه لقوم یعلمون O (۶/۱۰۶)

اور اسی طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کے لاتے ہیں تاکہ وہ کہہ دیں کہ تو نے پڑھ کر سنا دیا اور تاکہ ہم اہل علم کے لئے تشریح کر دیں۔

الغرض قرآن کریم کی تفصیل خود قرآن ہی میں ہے اور وہ مفصل کتاب ہے۔

وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا (۶/۱۱۵)

اور وہی اللہ ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری تفصیل شدہ۔

اس لئے تفسیر قرآنی کی صورت یہ ہے کہ جس طرح حقائق فطرت کے مفکرین اپنی علمی تحقیق کے لئے ایک خاص شعبہ کو جس میں ان کو مہارت ہوتی ہے مخصوص کر لیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جو علوم صحیحہ میں سے کسی علم کے ماہر ہوں قرآن کی ان مخصوص آیات کی تفصیل جو ان کے علم سے تعلق رکھتی ہیں اپنے ذمہ لیں اور ان پر علمی بصیرت کے ساتھ غور وفکر کریں۔ اس طرح پر قرآن کی تفصیل ہوتی جائے گی اور عالم فطرت کی طرح اس کے حقائق بھی آشکارا ہوتے جائیں گے۔ لیکن علم کے ساتھ اخلاص بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

بیشک قرآن سے نصیحت لینا اور اس پر عمل کرنا عوام کے لئے بھی سہل ہے جس طرح کہ عالم فطرت کی نعمتوں سے متمتع ہونا

جاہلوں کے لئے بھی آسان ہے۔ مگر عالم فطرت پر غور کرنے والوں نے ہزار ہا چیزیں جو ایجاد کی ہیں وہ ان کی فہم سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح قرآنی حکمت تک رسائی علوم صحیحہ کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ قرآن کی موجودہ تفسیریں جو آج تک ہوئی ہیں ان سے صرف آیات کے معانی حل ہوتے ہیں اور یہ ضروری اور ابتدائی چیز ہے لیکن کسی قرآنی حقیقت کی توضیح کے لئے سارے قرآن کو چھاننا پڑے گا اور اس لحاظ سے ابھی تک قرآن پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

(۲)

آیات کی تشریح میں روایات سے مدد لی جا سکتی ہے لیکن روایات غیر یقینی اور ظنی[1] ہیں اس لئے ان پر تفسیر کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔ تاریخ تفسیر میں ہم امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر چکے ہیں کہ ''تفسیری روایتیں بوجہ ضعف رواۃ کے بے اصل ہیں۔'' عام خیال یہ ہے کہ صحاح ستہ میں جو روایات ابواب التفسیر میں آئی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن ان پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی امام موصوف کے قول سے مستثنیٰ نہیں ہیں چنانچہ تفسیر بالروایت[2] کے نام سے ہم نے ایک مقالہ میں صحاح ستہ سے بہت سی مثالیں نکال کر پیش کر دی ہیں جو علم۔ عقل اور قرآن کے خلاف ہیں اور ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی تفسیریں نہیں ہو سکتی۔

(۳)

تفسیر بالروایت کی ایک شاخ اختلاف قرأت بھی ہے۔ یعنی مفسروں نے بعض آیات کے الفاظ میں شاذ قرأتوں سے اضافے کر لئے ہیں۔ مثلاً وان کان رجل یورث کلالۃ اوامرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس (۴/۱۲) یہاں اخ اور اخت کے الفاظ کو جو بلا قید بیان کئے گئے ہیں اخیانی بھائی بہن کے لئے مخصوص کیا گیا اس روایت کی بنیاد پر کہ بعض صحابہ کی قرأت میں ''اخ اؤ اخت لام'' مروی ہے۔ اس وجہ سے فقہاء نے اخیانی بھائی بہن کو ذوی الفروض میں داخل کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وراثت کے اصول میں بدیہی غلطیاں واقع ہو گئیں اور اخیانی بھائی بہنوں کی وجہ سے بعض صورتوں میں حقیقی بھائی بہن محروم ہونے لگے۔ مثلاً

ہندہ مسئلہ ۶

شوہر	ماں	دو اخیانی بھائی	دو حقیقی بھائی
۳	۱	۲	محروم

یہ کیسے عقل جائز رکھ سکتی ہے کہ ماں اور باپ دونوں کی اولاد یعنی سگے بھائی تو محروم رہیں اور صرف ماں کی اولاد ترکہ لے لے جن کو ممکن ہے کہ غیر خاندان سے وہ لائی ہو۔ کیا یہ کھلی ہوئی غلطی نہیں ہے جو قرآن کریم کے سر تھوپی جا رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت مذکورۂ بالا میں قرآن نے بہن اور بھائی کا حصہ ہی نہیں بیان کیا ہے بلکہ رجل و امرأۃ یعنی مذکر و مونث عہدی وارثوں کا حصہ ہے۔ اس مسئلہ کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی عربی کتاب الوارثۃ فی الاسلام میں بیان کر دیا ہے جو جامعہ ملیہ کے طبع سے شائع ہو چکی ہے اس لئے شاذ قرأتیں قرآن میں اضافے ہیں جو کسی طرح تسلیم کے قابل نہیں کیونکہ قرآن کی حفاظت کا اللہ نے ذمہ لیا ہے اور وہ اس کے ایک ایک لفظ کا محافظ ہے۔ ہمارا ایمان اسی قرآن پر ہے جو بین الدفتین محفوظ ہے۔

(۴)

قرآن کریم کے الفاظ جس حد تک لے چلیں اس سے

---

[1] روایات کے ظنی اور غیر یقینی ہونے کا پورا پورا ثبوت ہم اپنے مقالہ (علم حدیث) میں دے چکے ہیں۔ جو ادارہ طلوع اسلام سے شائع کیا جا چکا ہے۔ [2] یہ مقالہ جداگانہ رسالہ البیان امرتسر سے شائع ہو چکا ہے۔

آ گے مطلق قدم نہ بڑھایا جائے کیونکہ قرآن کا ہر لفظ اپنی جگہ پر اپنے معنی کے لحاظ سے کامل اور مقصود کے مطابق ہے۔

و تمت کلمة ربك صدقا وعدلا (۶/۱۱۶)

اور تیرے رب کے الفاظ سچائی اور (معنی کی) برابر کے لحاظ سے پورے ہیں۔

ان کلمات سے آگے بڑھنے میں قرآنی حدود سے تجاوز لازمی ہے جو بڑی غلطیوں کا موجب ہوسکتا ہے۔ مثلاً

ولقد علمنا المستقدمين منكم ولقد علمنا المستاخرين o وان ربك هو يحشرهم (۱۵/۲۴-۲۵)

ہم کو تم میں سے آگے جانے والوں کا بھی علم ہے اور پیچھے آنے والوں کا بھی علم ہے۔ بے شک تیرا رب ان کو حشر میں جمع کرے گا۔

مستقدم اور مستاخر کے الفاظ قرآن میں کئی جگہ پہلے اور پیچھے مرنے والوں کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً

اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون o (۱۰/۴۹)

جب ان کی اجل آجائے گی تو ایک گھڑی نہ وہ پیچھے رہیں گے نہ آگے بڑھیں گے۔

یعنی اپنے وقت معینہ پر ان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ اس لئے قرآن کی تفصیل کے مطابق ''ولقد علمنا المستقد مین الآ ہ'' کے معنی یہ ہوئے کہ تم میں سے جو لوگ پہلے گزر گئے اور جو بعد میں مریں گے ان سب کا ہم علم رکھتے ہیں اور حشر کے دن ان سب کو جمع کریں گے۔ لیکن بعضوں نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ ایک حسین عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز جماعت پڑھنے کے لئے مسجد میں آیا کرتی تھی۔ کچھ لوگ آگے کی صف میں بڑھ جاتے تھے تا کہ اس کو نہ دیکھیں اور کچھ پیچھے کی صف میں رہ جاتے تھے اور رکوع کی حالت میں بغل میں سے اس کی طرف جھانکتے تھے۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اب یہ معنی نکالنے کے لئے آیت میں پہلی صف اور پچھلی صف کے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑتا ہے جو اصولاً جائز نہیں اور پھر صحابہؓ کرام کی ایک جماعت پر ایسا مکروہ الزام عائد ہوتا ہے جس کو کوئی شخص جوان کے حالات سے واقف ہے تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر چہ یہ روایت صحاح ستہ کی تین کتابوں ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں درج ہے لیکن خود قرآنی تفصیل کی مخالف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔

(۵)

جہاں تک زبان کا تعلق ہے قرآن کی عربی آسان اور واضح ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔

بلسان عربی مبین (۲۶/۱۹۵)

واضح عربی زبان میں۔

قرآنا عربیا غیر ذی عوج (۳۹/۲۸)

عربی قرآن میں جس میں کوئی کجی نہیں۔

فانما یسرناه بلسانك (۴۴/۵۸)

ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے۔

لہٰذا الفاظ قرآن کے معانی وہی لئے جائیں گے جو عربی زبان کے مطابق صحیح ہوں اہل لغت نے جو معانی الفاظ کے لکھے ہیں ان کی

بنیاد سماع پر ہے اور کتب لغت کی تدوین جس وقت ہوئی ہے اس وقت تک بہت سے الفاظ کے معانی تفسیر وحدیث وفقہ میں رائج ہو چکے تھے وہی لغات میں درج ہوئے اس لئے لغت مسلم ہے مگر وہ حتمی دلیل نہیں ہے قرآنی الفاظ کے معانی میں اگر اختلاف واقع ہو تو خود قرآن سے ان کا تعین ہوسکتا ہے۔

اصول وقواعد لسانی کی ترتیب بھی نزول قرآن کے مدتوں بعد ہوئی ہے بلکہ ان کا بڑا حصہ ائمہ فن نے خود قرآن ہی سے استنباط کیا ہے لہٰذا یہ اصول قرآن پر حاکم نہیں ہوسکتے۔ اگر کوئی بات قرآن میں ان اصول کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہئے کہ جن لوگوں نے اصول استنباط کئے ان سے کمی رہ گئی ہے۔

(۶)

ایک اہم اصول قرآن فہمی کا یہ ہے کہ اس کی تعلیمات میں اختلاف نہیں ہے۔

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ○ (۴/۸۲)

اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی غیر کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے

اس لئے کسی آیت کی ایسی تفسیر نہیں کی جاسکتی جو دوسری آیت کے خلاف پڑتی ہو۔ مثلاً

ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم و یقولون ھو لاء شفعائونا عند اللہ قل اتنبون اللہ بما لا یعلم فی السموات والا فی الارض (۱۰/۱۸)

عام مفسروں نے آیت بالا میں "لا یعلم" کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے یعنی اللہ کی طرف لاعلمی منسوب کی ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے بھی اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے نہ ان کا بھلا کرے اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ تو کہہ کہ تم اللہ کو جتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔

یہ تفسیر یا ترجمہ علاوہ اس کے کہ جسارت ہے جو کسی مسلمان کے لئے زیبا نہیں براہ راست خود قرآنی تصریح کے خلاف ہے۔ قرآن میں ہے۔

ان اللہ یعلم ما یدعون من دونہ من شئ (۲۹/۴۲)

جس شے کو بھی وہ اللہ کے ماسوا پکارتے ہیں اللہ اس کو جانتا ہے۔

پھر یہ مشرکین اللہ کو اپنے باطل معبودوں کی خبر ہرگز نہیں دیتے بلکہ ان کے توسطت خود اپنی حاجتوں کی خبر اللہ تک پہنچانا چاہتے ہیں اور یہی معنی سفارشی بنانے کے ہیں۔ ورنہ اگر وہ اللہ کو اپنے معبودوں کی خبر دیتے تو خود اپنا حال بھی اس سے کہہ سکتے بیچ میں سفارشی کی کیا ضرورت تھی۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

اور وہ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو ان کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو جن کو آسمان اور زمین کی کسی شے کا علم نہیں ہے۔

(۷)

پہلے یہ اشارہ گزر چکا ہے کہ قرآن کی تفسیر میں نسخ کے عقیدہ نے بہت خرابیاں پیدا کی ہیں۔ مفسرین تین قسم کے نسخ کے

قائل ہیں۔

(۱) وہ آیات جن کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور وہ پڑھی لکھی بھی نہیں جاتیں۔

یہ خیال چند نہایت ضعیف بلکہ موضوع روایات سے پیدا ہوا۔ جن کو اکثر ائمہ حدیث خاص کر قاضی ابو بکر نے موضوعات کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ اب چونکہ وہ آیتیں موجود نہیں نہ ان کے احکام باقی ہیں اس لئے ان پر بحث بھی غیر ضروری ہے۔

(۲) وہ آیات جن کا حکم نہیں منسوخ ہوا لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی۔

نسخ کی یہ قسم عقل کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حقیقت میں ایسی کوئی آیت ہوتی تو ناممکن تھا کہ اللہ اس کی حفاظت نہ کرتا۔

مثال میں آیت رجم پیش کی جاتی ہے حالانکہ اگر واقعی آیت رجم نازل ہوئی ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن میں درج ہونے سے رہ جاتی۔ خود حضرت عمرؓ جن سے یہ روایت کی گئی ہے جمع قرآن میں شریک تھے۔ کیا چیز مانع تھی کہ انہوں نے اس کو نہ لکھوایا۔ علاوہ بریں چونکہ یہ روایت قرآن کی تصریح انا لہ لحافظون کے خلاف ہے اس لئے ہرگز تسلیم کے قابل نہیں ہے خواہ اس کے راوی جبرئیل و میکائیل ہی کیوں نہ بتائے جائیں۔

(۳) وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہو گیا ہے مگر تلاوت منسوخ نہیں ہوئی۔

اس قسم سوم میں لوگوں نے رائے اور قیاس کو اس قدر دخل دیا ہے کہ پچاسوں آیتوں پر نسخ کا حکم لگا دیا۔ علامہ ابن العربی نے اس تعداد کو کم کر کے ۲۱ آیتوں کو منسوخ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان میں ذرا اور غور کیا تو ان کے نزدیک صرف پانچ آیتیں منسوخ ثابت ہوئیں۔ ہمارے نزدیک وہ بھی منسوخ نہیں جیسا کہ ہم نے دلائل کے ساتھ اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھ دیا ہے جو علی گڑھ سے شائع ہو چکی ہے ان باتوں سے یہ صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ آیات کو جن لوگوں نے منسوخ کہا ہے محض اپنی رائے اور قیاس سے کہا ہے اور اللہ کا کلام اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ کسی انسان کی رائے سے منسوخ ہو سکے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ قرآن کے ایک لفظ کو بھی بدل سکیں۔

قل ما یکون لی ان ابدله من تلقائ نفسی (۱۰/۱۵)

کہہ دے کہ مجھے حق نہیں ہے کہ اس کو بدلوں اپنی طرف سے۔

ان آیات کے متعلق جن کو لوگوں نے منسوخ الحکم قرار دیا ہے ہم کو یہ یقین ہے کہ وہ قرآن کی احکامی آیتیں ہیں اللہ نے ان کو نازل فرمایا ہے اور رسولؐ نے ان کو یاد کرایا اور قرآن میں لکھوایا ہے اب سوائے اللہ کے دوسرا کون اس کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اگر کسی کو دو آیتوں میں باہمی تعارض نظر آتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک کو منسوخ قرار دیتا ہے تو یہ اس کی فہم کا قصور ہے۔ کیونکہ قرآن نے تصریح کی ہے کہ اس کی تعلیمات میں اختلاف نہیں ہے۔

قرآن کی آیات میں سے ایک بھی منسوخ نہیں ہے۔

جن لوگوں نے روایات سے آیات کو منسوخ قرار دیا ہے انہوں نے قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مثلاً

کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیر الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین ○ (۲/۱۸۰)

تمہارے اوپر فرض کیا گیا کہ تم میں سے جب کسی کی موت کا وقت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو والدین اور اقربا کے لئے وصیت کر جائے یہ اللہ سے ڈرنے والوں پر ایک حق ہے۔

صریح الفاظ میں اللہ نے مالداروں پر ورثہ کے لئے وصیت فرض کی اور متقیوں پر اس کو لازمی قرار دے کر موکد فرمایا۔ پھر آیت وراثت میں بھی تین جگہ "من بعد وصیة" فرما کر توضیح کر دی کہ توریت کا اجراء وصیت کے نفاذ کے بعد ہوگا۔ مگر فقہا نے الا لا وصیة لـوارث" (یاد رکھو وارث کے لئے وصیت نہیں ہے) کی روایت سے اس موکد آیت کو منسوخ کر ڈالا اور یہ سمجھ نہ سکے کہ وصیت ورثہ کی شخصی مصلحتوں کے لئے ہے جو توریت میں ممکن نہیں۔ کیونکہ ورثہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے دو بیٹے ہیں جن میں سے ایک پر اس نے ہزاروں روپیہ خرچ کیا ہے اور اس کو پڑھا لکھا کر اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ خوب کماتا ہے اور باپ کی دولت سے مستغنی ہے۔ دوسرا بیٹا آج پیدا ہوا ہے۔ وراثت کا قانون کلی ہے وہ شخصی مصالح کا لحاظ نہیں کرے گا اور دونوں کو برابر دے گا لیکن مصالح فائلی کا تقاضا اس کے خلاف ہے۔ اس قسم کے مخصوص حالات کے لئے وصیت فرض کی گئی ہے تاکہ مورث اپنے ورثہ کی مناسب ضرورتوں کا لحاظ رکھ سکے۔

ایسی ضروری اور موکد آیت کو لوگوں نے صرف خبر اُحاد کی بنا پر منسوخ کر ڈالا اور قرآن کی سکھائی ہوئی مصلحت کو ضائع کر دیا۔!

خاتمہ

یہ ہیں وہ چند موٹے موٹے اصول جو ہم نے قرآن سے اخذ کئے ہیں۔ ان کے علاوہ ضرورت پڑنے پر اور بھی اصول نکالے جا سکتے ہیں۔ ان اصول کے مطابق قرآن کریم کی تعلیمات کی تشریح عنوانات متعین کر کے ہی کی جا سکتی ہے اور ہم نے اپنا اصول یہی رکھا ہے اس انداز سے سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی وہ میری تصنیف تعلیمات قرآن ہے جو دہلی سے شائع کی گئی ہے۔ اس میں صرف چھ مسائل کی توضیح ہے جو اصول اسلام اور عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب میرے مخلص رفیق چودھری غلام احمد خاں پرویز بی۔ اے جن کو اللہ نے قرآن فہمی کی توفیق عطا فرمائی ہے اسی نہج پر اپنی کتاب معارف القرآن پیش کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ناظرین کے لئے نہ صرف یہ کہ یہ کتاب مفید ثابت ہوگی بلکہ ان کے اوپر اس حقیقت کو بھی واضح کر دے گی کہ قرآنی حقائق کو قرآن ہی سے سمجھنے کا طریقہ محفوظ اور صحیح ہے اور ان کے دل کو اطمینان بخشے گی کہ جو کچھ انہوں نے سمجھا وہ قرآن ہی کی تعلیم ہے نہ کہ انسانی خیالات۔ کیونکہ کسی خاص خیال کو لیکر قرآن میں گھسنا اور اس کی آیات کو اس کے مطابق موڑنا خالص الحاد ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

ان الذین یلحدون فی ایاتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی امنا یوم القیامة (۴۱/۴۰)

جو لوگ ہماری آیتوں میں کجی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں کیا جو آگ میں ڈالا جائے بہتر ہے یا جو قیامت کے دن بے خوف ہو کر آئے۔

اس کتاب کی مزید کیفیت آپ کو خود چودھری صاحب موصوف کے تعارف سے معلوم ہوگی۔ انہوں نے جس محنت اور خلوص سے اس کو لکھا ہے اس سے مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی کوشش کو مقبول اور ان کی سعی کو مشکور فرمائے گا۔ آمین۔

ایک اچھی خبر

بزم طلوع اسلام راولپنڈی کی کوششوں سے ایک نئی ویب سائٹ

parvez-video.com

لانچ کی گئی ہے جس سے علامہ پرویز علیہ الرحمتہ کے دروس قرآنی انٹرنیٹ پر ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

(ادارہ طلوع اسلام)

دو اہم کتب

جن کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے

محکمات

جس میں قرآن کریم کی تعلیمات فلسفیانہ روشنی میں لائی گئی ہیں اور دکھایا گیا ہے کہ آیات کے حقیقی معنی کیا ہیں، مفسرین کیا سمجھے اور عہد رسالت میں کیا بتائے جاتے تھے۔

تالیف: علامہ عبداللہ العمادی

سابق رکن دارالترجمہ، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔

قیمت: 90 روپے

دین اسلام کی کامیابی کے اسباب

ماسٹر شیر علی خان

تمام عیسائی مشنریوں کے جھوٹے الزامات کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

قیمت 120 روپے

ملنے کا پتہ

دوست ایسوسی ایٹس

الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون 7122981

ہمارے بچے بھی ادب تخلیق کر سکتے ہیں

پاکستان میں پہلی بار

ایسا لٹریچر جس میں بچوں نے معاشرے کے بارے میں جو کچھ محسوس کیا وہی کچھ لکھا

یہ کتابیں آپ کے بچے کے لیے انتہائی ضروری ہیں

یہ کتابیں آپ کے بچے میں اعتماد پیدا کریں گی

رنگین ٹائیٹل کے ساتھ سفید اور مضبوط کاغذ پر آفسٹ پرنٹنگ

قیمت مکمل سیٹ: 200 روپے

منگوانے کا پتہ

آواز فاؤنڈیشن برائے تعلیم

31 سیکنڈ فلور، حفیظ سنٹر، مین گلبرگ لاہور

فون 5764674

1 Color Dost Assosiate

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعزیتی خطوط

عظیم قرآنی مفکر ڈاکٹر سید عبدالودود مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر ادارہ کو موصول ہونے والے چند خطوط اور مراسلے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

آہ ۔۔ ڈاکٹر عبدالودود

ایسے لوگ صرف جسمانی طور پر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور بس۔ وہ ہمارے پاس ہوتے ہیں، ہم ان سے ہمکلام بھی ہوتے ہیں، ہم اگر کوئی سوال کریں تو ہمیں جواب بھی دیتے ہیں۔ کون کہتا ہے یہ ڈاکٹر عبدالودود فوت ہو گئے ہیں، وہ زندہ ہیں اور جب تک ان کا علمی سرمایہ زندہ ہے وہ زندہ رہیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ موت العالم موت العالم ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ احباب ان کی محفلوں سے لطف اندوز ہونے سے اس لئے محروم ہو گئے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت پر آنے والا وقت بہت کچھ ضبطِ تحریر میں لائے گا ان کی وفات حسرت آیات کی خبر مجھ پر بجلی بن کر گری۔ مرحوم کے ساتھ میرے علمی مبارزے طلوع اسلام کے صفحات میں موجود ہیں۔ گوناں گوں علمی خوبیوں کے مالک تھے۔ قرآن کریم پر غور وفکر کرنا ان کی زندگی کا بہترین مشغلہ رہا ہے۔ قرآنی حقائق اور سائنسی حقائق کا تقابل مرحوم کی ایسی کاوشیں تھیں جو آنے والے سائنس کے طالب علم کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گی۔ میں ذاتی طور پر یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ڈاکٹر عبدالودود فوت ہو گئے ہیں۔ تاہم دل کی عمیق گہرائیوں سے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ قارئین طلوع اسلام کو یہ صدمہ برداشت کرنے میں ایک وقت لگے گا۔

سوگوار

عبداللہ ثانی

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بزم طلوع اسلام کویت کے حلقۂ احباب میں جناب ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کی وفات کی خبر نہایت دکھ اور افسوس کا باعث بنی۔ علم وحکمت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ انا للہ وانا علیہ راجعون۔ اور عالَم ایک عالِم سے محروم ہو گیا۔

مرحوم کا اس دارِ فانی سے رخصت ہو جانا وابستگان تحریک قرآنی کے لئے یقیناً ایک عظیم صدمہ ہے جسے برداشت کرنے کے لئے ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان شخصیات میں سے ہیں جو اپنی تحریروں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور بے شک موت ان اجلے راستوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جو ان کی بصیرتِ قرآنی

کی بدولت روشن تر ہو چکے ہیں۔

ہم خدا کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین) والسلام

عبیدالرحمٰن آرائیں

نمائندہ واراکین، بزم طلوع اسلام کویت

☆☆☆

ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کی وفات حسرت آیات کے متعلق محترم مقبول فرحت نمائندہ بزم لندن کے الفاظ ہمیں اپنے جذبات کی عکاسی کرتے نظر آرہے ہیں۔ ان کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی وفات سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم علمی طور پر، جیسے، یتیم ہو گئے ہوں۔

علامہ پرویز نے ڈاکٹر سید عبدالودود کو اپنے احباب میں سب سے زیادہ اہمیت دی اور اپنی کتابوں بالخصوص مطالب الفرقان جلد پنجم اور کتاب التقدیر میں جس فخریہ انداز سے ڈاکٹر صاحب کی صلاحیت اور قابلیت کا ذکر کیا ہے، اس سے ان کے والہانہ جذبات کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالودود نے جس خوبی سے قرآن اور سائنس کے حقائق کو بیان کیا ہے وہ صرف انہی کا خاصا تھا۔ ایک ماہر سرجن نے جب فکر ونظر کی وادی میں قدم رکھا تو یہاں بھی وہ منفرد مقام پر کھڑے نظر آئے۔

طلوع اسلام ٹرسٹ بجا طور پر نازاں ہے کہ اسے ڈاکٹر صاحب کا اعتماد ہمیشہ حاصل رہا۔ ان کی شہرہ آفاق تصانیف کی نشرو اشاعت کی سعادت طلوع اسلام ٹرسٹ کو حاصل رہے گی۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ علمی شہہ پارے انہیں رہتی دنیا تک زندہ رکھیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی

ایگزیکٹو ہیڈ طلوع اسلام ٹرسٹ

☆☆☆

ڈاکٹر سید عبدالودود کی وفات جہاں تمام علمی حلقوں میں ایک خلا چھوڑ گئی ہے وہاں طلوع اسلام کے قارئین کے لئے یہ ذاتی صدمہ کا باعث بنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب، قرآن کریم کے طالب علموں کے لئے ایسا کام چھوڑ گئے ہیں کہ جس سے تحقیق کے نئے ابواب رقم کئے جاسکتے ہیں۔ مجھے ان سے ۱۹۹۲ء میں باقاعدہ ملنے کا اتفاق ہوا کہ جب وہ گارڈن ٹاؤن میں رہائش پذیر تھے۔ بعدازاں ان سے مسلسل رابطہ رہا۔ ان کی نقل مکانی جب ناگزیر ہوتی نظر آنے لگی تو انہوں نے اپنی تصانیف کی سپردگی طلوع اسلام ٹرسٹ کو کردی اور بالآخر انکی خواہش پر طلوع اسلام ٹرسٹ نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتابیں اب ٹرسٹ کے زیر اہتمام ہی شائع ہوا کریں گی۔ علامہ پرویز کی تصانیف کو جس منظم انداز سے ٹرسٹ نے نہ صرف محفوظ کیا بلکہ انہیں دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا اس کا کریڈیٹ ڈاکٹر صاحب بجا طور پر پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی کی شخصیت کو دیتے تھے۔

علامہ پرویز کے دروس قرآن کی ریکارڈنگ میں یہ فقرہ کئی بار سنا جاسکتا ہے کہ ''میں ڈاکٹر صاحب کی خصوصی توجہ چاہوں گا''۔ پرانے شرکاء درس کو اچھی طرح یاد ہے کہ ڈاکٹر سید عبدالودود کے لئے خصوصی نشست کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب Perfectionist تھے، اس لئے پاکستان میں جاری معیارِ طباعت سے خاصے نالاں رہتے تھے۔ اپنی کتاب Phenomena of Nature and the

Quran کے اندر ایک تصویر میں رنگ کے لطیف سے فرق کو برداشت نہ کرتے ہوئے کم وبیش تین دفعہ چھپواتے رہے تا آنکہ وہ کسی حد تک مطمئن ہوئے۔

ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کی خوش لباس اور وضع داری بھی انفرادیت کی حامل تھی۔ انہوں نے اپنے آخری سالوں میں بھی اسے ہر ممکن حد تک برقرار رکھنے کی کوشش رکھی۔ جب تک چل پھر سکتے تھے' مہمان کو دروازے تک چھوڑنے ضرور جاتے تھے۔ کمزوری کے باوجود اس وقت تک کھڑے رہتے کہ جب تک مہمان رخصت نہ ہو جاتا۔ مہمان نواز اس قدر کہ مجھے کوئی ایک موقع بھی یاد نہیں کہ جب انہوں نے حسب موقع چائے' کھانے کے بغیر واپس آنے دیا ہو۔

قرآنی فکر اور انگریزی زبان کے حوالہ سے وہ پوری دنیا میں صرف ایک ہی شخصیت کا حوالہ دیتے تھے اور انہی سے مدد لیتے تھے۔ یہ محترم علی سرفراز خان جمل (ایڈیٹر البلاغ' ساؤتھ افریقہ) کی عظیم شخصیت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں جمل صاحب کی تصویر میں نے ہمیشہ دیکھی۔ نوجوان نسل میں خالد زمان (لیڈز) سے انہیں کافی توقعات وابستہ تھیں۔ وہ اکثر خالد زمان کا پوچھتے رہتے۔

اپنی زندگی کے آخری مہینوں تک وہ تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ ہمیشہ یہ ذہن رہا کہ قرآن کریم میں سائنس کے حوالہ سے جو اشارات ملتے ہیں' ان کی مزید تشریح کر دی جائے۔ اس ضمن میں' وہ سورہ الرحمٰن کی تفسیر لکھنے کا منصوبہ دل میں رکھتے تھے۔ اس پر اپنا ابتدائی کام اسی سال انہوں نے شائع کروا دیا تھا۔

ڈاکٹر سید عبدالودود نے جس جوانمردی سے اپنے جسمانی عوارض اور مالی مسائل کا مقابلہ کیا' وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان سے' میں نے' کبھی اس ضمن میں حرف شکایت نہیں سنا۔ ماہنامہ طلوع اسلام کی کوئی کاپی منگواتے تو اس کی قیمت ادا کر کے ہی چھوڑتے۔ بہت لوگوں کو اپنی کتب اندرون وبیرون ملک خود ڈاک اور پیکنگ کا خرچ برداشت کر کے بجھواتے رہتے اور کبھی کبھار علامہ پرویز کی کتب بھی خرید کر بجھوا دیتے۔ انہوں نے قرآن کریم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہوا تھا۔ قرآن فہمی کے لئے انہوں نے بے پناہ محنت کی۔ ہمارے لئے جو عظیم علمی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں وہ انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

احمد حسین قیصرانی

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

☆☆☆

محترم اشرف ظفر صاحب نمائندہ بزم لاہور کے فون کرنے سے پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ سن کر بہت زیادہ دکھ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیات مدتوں میں کہیں جا کر پیدا ہوتی ہیں اور اب تو شاید یہ سلسلہ ناپید سا ہو گیا ہے۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قرآن کریم کا یہ کوہکن اپنے پیچھے علم کا ایک ایسا خزانہ چھوڑ کر گیا ہے جو آنے والی نسلوں کو سائنسی انداز میں قرآن پر غور وفکر کے دریچے وا کرنے میں آسانی پیدا کرتا رہے گا۔

بزم طلوع اسلام سوات' مرحوم کی علمی شخصیت کے حضور بھرپور خراج تحسین پیش کرتی ہے اور دعا گو ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔

اقبال ادریس

نمائندہ بزم طلوع اسلام سوات

☆☆☆

(انگریزی خطوط اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)

⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠⊠

Salam-o-Rahmat

Dr. A. Wadood's demise is really an irreparable loss to us all. But this physical body has to go one day to be on the next stage of life. And there is no exception to this phenomenon. This is one of the permanent values, so we'll have to be quick to disseminate the teachings of the Qurah for the greatest benefit of the greatest number on this threatened planet. That is why we declare: "We have dedicated ourselves to the establishment of the Divine system and, come what may, we will continue advancing towards that goal." (2:157).

It was long back in the scale of time -the early sixties -when with definite program for disseminating the teachings of the Quran. Dr. A. Wadood established a hospital in Sadikabad, a tehsil in Dist. Rahimyar Khan. It worked well and became a focus of communicating the message of the Quran. But the centre at Lahore was , perhaps, calling him back. One fine morning he shifted back to Lahore to occupy the same chair and table near the MOORA (old chair) of baba ji to take notes of the lecture of G. A. Parwez. He, with devotion and dedication, continued this work to the last. The people of Sadikabad remember him still.

Every body attending the weekly Duroose (lectures) at 25/B, Gulberg, Lahore knew this personality, committed to the Quran, -not in the lectures of G. A. Parwez, but in the History Classes baba ji used to take at night. I still remember succinctly: one night after meeting baba ji at 4 O'clock p.m., we the two from Dadu (Sindh) were asked to attend that lecture. Our problem was of going back to Mori Gate in Lahore. But we decided to attend. It was a chilling night of December. When the lecture of baba ji came to an end at11.00 p.m., we went out on the gate of 25/B, a sweet, soft, voice echoed into our ears: Wait, I'm coming, go with me; it was Dr. A. Wadood. And he dropped us at the very residence of my uncle where we were staying. His face is still in my mind with clear features though it was night.

During a surgery of baba ji, when he (baba ji) was perhaps breathing the last due to bleeding, I clearly see his (Dr. A. Wadood's) face drooped in anxiety but confident of his command and shill in surgery. With an injection, baba ji's pulses started pulsating, and Dr. Wadood's face glittered with glee. So confident a personality he was, the nature takes long to germinate. I remember him when Shaokat died and how he managed to be busy again in his work of reading and writing and, of course, of surgery. When his 32-Nisbat Road Residence, due to pollution, started infection process in his patients, he sailed on a very low price -and that too was devoured by a financing company in Punjab. How darely and boldly he face this loss! is an example for us all. Thanks to the loyalties of the Qurani Ahbaab of Lahore who helped him to get a residence built for him to enabling him for continuing his work as usual. I can go on remembering such episodes but I do not want to take much of you precious time. Whatever he did was for the propagation of the Quran and is a lesson for us all.

Alas! a hand of ours has been cut off. And will no more be with us on this stage of life. We have to go in the light of the Quran and follow the zeal and zest he has manifested, setting an example for us all.

Definitely he would attain another pattern of life on the basis of which he would go ahead to enjoin upon the next stage of life, fully ripe, developed, and grown up worthy of such a stage. His deeds would be scintillating us to traverse upon the path, the Nourisher has destined us to proceed. He will enjoy his life according to the dictates, the values enshrined in the Holy Quran. We all share this sorrow and are with his family, near and dear, and most important, his daughters at this moment of shock and grief, the worldly affliction as we call it. And hope on his arrival to Him (the Nourisher), the divine powers of the Sustainer would have definitely greeted him saying:

O soul at peace, Return to thy Nourisher, pleased and pleasing, Then enter among My servants, And enter My Heaven (89: 27-30).
Your Brother
Dr. MANZOOR-UL-HAQUE, Pakistan

Salaam to you all. Mr. Kaisrani broke this tragic news that Dr Wadud the beacon of light for T.Islam movement parted from this mortal world. T.Islam is orphan now. A giant stalwart inspite of his failing health and bed ridden for some time he never put down the pen from his hand for the glory of Quranic message.
May Allah bestow upon him an exalted abode in heavens. Please forward or deliver this condolence message to his bereaved family.
MAQBOOL FARHAT, Bazm London

Salaam-o-rahmat.
We are indeed very sad to learn of the demise of Dr Wadood. This is a great loss for the movement. May the departed rest in eternal peace.
RUBINA KHAWAJA, Bazm Khawateen, London.

Profoundly shocked and deeply distressed at demise of my mentor counsel and beloved friend, DR SAYED ABDUL WADUD Saheb. His greatness and inimitable scholarship will be remembered for all time by the Quran-lovers of the world.
May Allah give Sabr to his family , and grant him a special place in the Abode of Bliss. Ameen.
A.S.K. JOOMMAL

Salaam,
It is indeed sad that one of the great Quranic minds has left us all. I myself am so grateful to this great man who had really made me reflect deeply into the holy Quran. May Allah(SWT) grant him *Jannat* for his loving committed efforts in spreading the divine message of the holy Quran. He will be deeply missed by all those who belong to mission of spreading the true Quranic message of the holy Quran. Please do sent my deepest distressing feelings to his family members. My deepest prayers are with them all.
As always sallam and du' as to all!!!!!!!!!!!
KHALID ZAMAN, LEEDS.

Assalamu Alaikum,
We were much grieved to learn the passing away of Dr. Sayyid Abdul Wadud. May his soul rest in eternal peace.
Please convey our heartfelt condolences to his family. We will pray to Allah Rahman that He may give his beloved family and friends the strength and patience to bear the loss. Verily We shall give life to the dead, and We record that which they sent before and that which they leave behind, and of all things have We taken account in a clear Book (of evidence). The Quran 36:12 And to every soul will be paid in full (the fruit) of its deeds; and (Allah) knows best all that they do. The Quran 39:70.
Wassalam,
On behalf of Bazm Denmark,
ZAFAR A. KHAN

AOA!
I am very sad to know about demise of Dr. Wadood. He has contributed a lot for scientific explanation of the Quran. Please convey my condolences to his family, Idara and Ahbab. May he enjoy the life in Paradise.
Best regards,
ASIF JALIL

So also did we show Abraham the power and the laws of the heavens and the earth, that he might (with understanding) have certitude. When the night covered him over, He saw a star: He said: "This is my Lord." But when it set, He said: "I love not those that set." When he saw the moon rising in splendour, he said: "This is my Lord." But when the moon set, He said: "unless my Lord guide me, I shall surely be among those who go astray." When he saw the sun rising in splendour, he said: "This is my Lord; this is the greatest (of all)." But when the sun set, he said: "O my people! I am indeed free from your (guilt) of giving partners to God. "For me, I have set my face, firmly and truly, towards Him Who created the heavens and the earth, and never shall I give partners to God." (Quran 6.75-79)

From these two examples, we can see that Prophet Ibrahim engaged in the process of discussion and contemplation. His objective was to find the truth and he used free speculation to achieve that goals.

All these verses point to an activity of investigation, thinking and pondering over the realities of the human condition. While we can drop the use of the term 'philosophy', we have to acknowledge that it's activity is certainly part of the Islamic process.

How do we begin to study Philosophy

Every activity should begin by setting strategies. Western philosophy has already a long-standing tradition spanning 2500 years, beginning from the Greek Tradition to Post Modernism. So you *could* begin by reading the following introductions:

The story of Philosophy by Bryan McGee

The history of Western Philosophy by Bertrand Russell

'Introduction to' Series which can be found www.iconbooks.co.uk

You can also disregard these traditions and proceed by beginning your activity independently of these traditions. These traditions only serve as a rough guideline to your philosophical activity.

You could get together with friends in real life as well as in cyberspace and discuss various philosophical issues. If you keep the Quran in mind while engaging in these discussions, you will find the Quran being unfolded in ways which you haven't seen before. This is the deepening of your relationship with Allah and part of the Islamic process.

Good luck in your journey into philosophy!

References:

1. www.dictionary.com
2. Quran 60.4 and 60.6
3. Quran 16.123

Please recall the story of Adam.

Al-Quran tells us:

> And He (Allah) taught Adam *the higher essence of all things*; then He placed them before the angels, and said: "Tell me the names of these if ye are right." (Chapter 2, verse 31)

This is exactly what the activity of philosophy is concerned with, to find out the essence of all things in our reality. Please note that this statement came *before* the learning of God's Words or revelation:

> Then learnt Adam from his Lord *concepts*, and (Allah) accepted his repentance; for He is Oft-Returning, Most Merciful. (Chapter 2, verse 37)

> Furthermore, Al-Quran tells us: For the worst of beasts in the sight of God are the deaf and the dumb, - those who do not think. (Chapter 8, verse 22).

> There is also a class of people whom Al-Quran calls 'those of the deepest part of the heart' or 'those who have penetrated into the core' (ulil albab).

Al-Quran mentions these people as:

- those who contemplate signs (ayaat) in creations of the heavens and earth (chapter 3, verse 190)
- those who understand the universal formula of Quranic stories (Chapter 12, verse 111)
- those who understand the allegorical meanings of Quranic verses (Chapter 3, verse 7)

However, Quranic stories are directly related to the reality we see around us:

> Soon will we show them our Signs in the (furthest) regions (of the earth), and in their own souls, until it becomes manifest to them that *this is the Truth*. Is it not enough that thy Lord doth witness all things? (Chapter 41, verse 53)

Al-Quran becomes more detailed to those who possess the information:

> A Book, whereof the verses are explained in detail; - a Qur'an in Arabic, for people who have information (Quran 41:3)

And finally, we have Ibrahim as, a 'most beautiful example' according to Allah (2) and whose culture and institutions we are commanded to follow (3):

Hast thou not Turned thy vision to one who disputed with Abraham About his Lord. because God had granted him power? Abraham said: "My Lord is He Who Giveth life and death." He said: "I give life and death". Said Abraham: "But it is God that causeth the sun to rise from the east: Do thou then cause him to rise from the West." Thus was he confounded who (in arrogance) rejected faith. Nor doth God Give guidance to a people unjust. (Quran 2:258)

Also:

VOICE OF YOUTH

PHILOSOPHY AS A PROCESS IN AL-ISLAM

By
Farouk
Member of the Next Step Team in London.

What is Philosophy?

'Philosophy' is defined as:

Love and pursuit of wisdom by intellectual means and moral self-discipline.
The investigation of causes and laws underlying reality.
A system of philosophical inquiry or demonstration. (1)

Philosophy often tends to gets pictured as an activity only intellectuals engage in. They in turn produce journals which only people in their circles read but the general public are simply not aware of.

But really, who *doesn't* philosophise? When you study, do you study by reading or by practising? Your answer would contain your *philosophy* of studying. Do you consider stealing to feed the hungry wrong? Again, your answer would contain your moral *philosophy*.

So the question should be, what *isn't* philosophy? Philosophy is the bigger picture of things. It subsumes, or comprises of philosophy of science, philosophy of mind, philosophy of politics and everything else you can think of.

What is the 'Islamic Process'?

Islam simply means 'submission'. The process we refer to is the process, which everyone (regardless of their religious affiliation) goes through towards two destinations: the growth of their 'selves' or the degeneration of their 'selves'. The Quran says:

By the Soul, and the proportion and order given to it;
And its enlightenment as to its wrong and its right;-
Truly he succeeds that gives it growth,
And he fails who degenerates it! (Quran: 91:7-10)

When we speak of 'the Islamic process', we are referring to the process of the growth of your 'self' through the adherence to the Islamic code of conduct.

What does Islam have to do with Philosophy and how is it part of the 'Islamic process'

As Muslims, do we really need to philosophise? You may ask where, in Al-Quran, is the command to study philosophy, mentioned? Well, why not discard the term 'philosophy' for a while and focus on the meaning? Lets think over where the Quran tells us to consider, seek wisdom, ponder and investigate.

Let us not simply imitate the past and become its puppets or pet parrots. Imitation destroys our potential and damages our selves. Let us focus and concentrate our mental energy to explore and to critically understand the Quran. Allah has said in the Quran that do not accept My verses blindly. This is a very serious task. So, it requires a very serious thought. But it is good for our minds because our minds will become more creative by this process. This will lift us from our present collective misery and lead us to a life of dignity and honor.

Allah says in the Qur'an that if all the trees on the planet became pens and all its oceans became ink, the words of Allah (and the meanings contained in them) would not be exhausted (31:27, 18:109). That means there is no end to knowledge. Allah enjoins on every one of us (those who call themselves Muslims) to use our reason, intellect, and the up-to-date human knowledge to directly try to understand and explore the meanings of His revelations (especially see verse 25:73). We will never be able to exhaust the meanings of Allah's words but we are asked, nevertheless, to keep striving continuously.

That is why it is all the more important not to give up and stop this process by saying that our great scholars of the past have already explored all there was to be explored and they have understood all there was to be understood. They were great scholars and great people. But their greatness in scholarship was due to their efforts and the time they spent in the cause of understanding the Quran and preaching its pristine message. They did not want this process to stop.

So, we must do our part and move this thought process further. We should not simply refer to them and become catalogers. This passive approach on our part will not absolve us from our duty to ponder directly in the Qur'an as required by Allah.

"Afalaa utadabbaroon al-Quran? (4:82)" Do they not do tadabbur in the Quran? So says Allah in the Quran. Tadabbur means highly concentrated goal-oriented critical thinking like the way scientists do when challenged to find something new or when they embark upon solving a difficult problem.

Obviously it is our choice to do this critical thinking. Allah cannot force us to think. As a choice, how much intense thinking do we do in the Quran everyday and how much we do in other things? We may not think about it that way but we do make choices everyday in our lives. How much of our thinking goes into business, money, building or buying a house and other material things; or preparing for exams or job interviews; and how much into understanding the Quran?

We face the consequences of our choices everyday. Then how can we escape the consequence of the choice we make regarding the Book of Allah? We certainly will be held accountable for all our deeds – good or bad – in front of Allah on the Day of Judgment.

And what may be a better deed than trying to understand the Quran and making a sincere effort in order to live our collective life by it?

****

The result is we act like cry babies. We have become a community of procrastinators. In effect, we are reduced to nothing but dust so much so that a feeble wind is able to blow us around. Iqbal puts it more succinctly when says:

Bujhee ishk ki aag andher hai
Musalmaan naheen raakh ka dher hai

But there is hope. There is always a hope. Muslims should never feel helpless or hopeless. The Book of Allah is there to help them at every step but …

But it can only help those who want to live by it and not those who simply want to read or recite it for earning some easy rewards in the hereafter.

The Quran is for the living and not for the dead. Li tunzera mun kaane hayyan, it loudly proclaims.

Living by the Quran means that we have to first understand it. And in order to understand it, we have to use our minds. And in order to use our minds we have to spend time and effort. This is the law of requital. Without proper input one cannot get proper output.

How much time and effort we normally spend in trying to understand the Quran compared to other things in our life? Also, we must remember that the Allah's instruction to understand the Quran is incumbent on everyone. Islamic scholarship is a requirement for every Muslim. Seeking knowledge of the Quran (and the Universe) is a duty of every Muslim and not just a select few.

So, we have to ask our own hearts – each and every one of us – honestly and sincerely, are we trying to understand the Quran? Allama Iqbal says:

Ai Musalmaan apne dil se pooch Mulla se na pooch

Do we really take the Quran seriously? — Seriously enough to live by it and to die for it. Or, do we pay mostly a lip service to the Quran for the sake of earning sawaab in the hereafter? What do our hearts have to say?

Allah says that the Quran is more valuable than anything we can accumulate. Do we really take the Quran as the most valuable thing in our lives? Or does our busy life in acquiring material things or vying for fame and fortune push the Quran on the backside so much so that many of us wait until the time of our death for someone else to recite the Quran for the sake of our salvation in the hereafter?

So, how can we give the Quran the most important place in our hearts that it truly deserves? The only way the Quran will find any place in our hearts– let alone the most important place – will be to make a sincere pledge to start a genuine effort towards the understanding of the Quran.

But how to understand the Quran so that our mental cognitive potential is activated by that understanding and we slowly but surely start on a journey to becoming masters of our own destiny?

because their mother tongue is English? Or do most Germans understand Kant or Nietzsche?

Learning to read a book does not necessarily mean that we understand it. Knowledge of the language of a book is only a necessary condition for understanding it. It is not a sufficient condition. Books of famous writers are read and understood by very few people. Yet, many claim to understand without truly understanding these books. And there are always blind followers and pretenders in every department of life including religion.

What is the situation as far as Islam is concerned? What should be the status of our famous Islamic scholars and Imams of the past and their works? Should we follow them blindly, accept their explanations given in their Tafseers without any critical examination? Should we freeze the Quran in their time and space? I do not think our past Imams and Fuqahaa ever wished that. As a way of life, Islam is open and dynamic not closed and static.

So, should we use our minds and the modern knowledge to expand and enhance what our past Imams and Fuqahaa understood in their times? Are we allowed, in principle, to rectify and correct, where possible, their (mis)understanding of the Quran? Obviously, this is a difficult process requiring much effort and time.

We all know that human beings are prone to take the path of least resistance. So, when one is told that simply reciting the verses of the Quran (without understanding them) will be sufficient to go to Heaven, then why would one struggle to understand the Quran?

When one is told that just reciting a word of the Quran (without understanding) will give him or her 10 rewards in the hereafter, then why would one struggle to understand its meaning? Remember! Understanding requires mental struggle. Reciting does not.

When one is told that simply running one's finger on the words of the Quran will bring rewards in the hereafter, then why would one put any effort in understanding the root meanings of those words?

When one is promised a free ride to heaven why would one pay for it in terms of time, money, effort, and even life? When one can go to Heaven easily, then why would one want to go through a long and difficult mental (and physical) struggle to get to it? If there is a short cut then who wants to take a long and arduous path to Heaven?

Presence of all these short cuts in our so-called (man-made) sacred books has made us mentally stagnant. Our mental creative energy has vanished. It is a pity that we depend on others even for our basic necessities of life. Muslims have become accustomed to living on crumbs in spite of the fact that they own the richest resources of the world. What can be more humiliating than this?

Ramadan, Quran, and Muslims

By

Mansoor Alam

****

In Ramadan, recitation of the entire Quran is completed in hundreds of thousands of mosques around the world. And hundreds of millions of Muslims listen to the Quran recitation in this month.

In several mosques in Ramadan, the recitation of the entire Quran is completed in three nights in the last days of the month of Ramadan. (This is called Shabina. I personally participated in it for many years at AMU) I have heard (but not participated) that the entire Quran is recited in one night! The Imam(s) must be reciting the Quran very fast indeed to finish the whole Quran in one night of Ramadan before the Su'hoor.

There is even a live broadcast of the recitation of the Quran during Tarawee'h prayer from the holy city of Mecca to many Muslim countries.

In their daily prayers millions of Muslims recite the verses of the Quran several times a day throughout the world.

The Quran is recited on land, water, and air. Millions of Muslims listen to Quranic tapes and CDs at home or while traveling by cars, ships or airplanes.

Is there any other book that has been completely memorized by as many people and for as long as the Quran? Is there any other book that is recited by or listened to the recitation by so many millions of people as the Quran?

But how many of the hundreds of millions of Muslims who read (or recite) the Quran also understand the Quran?

Even one percent of 1 billion Muslims is a large number of Muslims. Are there 10 million Muslims who truly understand the Quran?

And let us clear one misconception here – about the Arabs and the common notion that they can understand the Quran better than others because they know the Arabic language.

This is a myth. Let us explain this by some examples. I assume most of us know Urdu. Now just because we know Urdu, does it mean we can understand Iqbal or Ghalib?

Does it mean that those who know English can understand Whitehead, Russell, Bergson, Emerson, or Thoreau or other famous thinkers and writers. Or is it possible that most Americans (or most of the British) understand these authors

Mankind has been given the freedom of choice and with it comes the freedom to think. If we take something to mean dirty, are we not disrespecting our own opinion, by eating the same thing we called filthy a few minutes ago? The question is not whether in reality it is filthy or not – to enjoy anything that we call filthy and dirty is a contradiction in terms and a big flaw in our thinking. This mental flaw can become so monstrous that Allah has given it a place in His book for all times to come and for all mankind. We do not need a psychologist to explain to us the dangers of contradictory thinking and its consequences. The pages of human history are full with tortures of war and bloodshed, because of cultures having double standards and contradictions, when authorities preach one thing and practice its opposite. There are myriads of other birds and animals in this world that we can cook, eat and enjoy. Would it be asking too much to stop eating just this one kind of animal, that every culture of this world throughout the ages and even till today.... considers it dirty and filthy?

****

PLEASE NOTE!

(1) We apologise once again for omitting the chapters from "The Status of Hadith" in the months of December and January. We hope to continue the series from February onwards, Insha Allah.

(2) The article on the Pakistan Movement in December was printed Courtsey "The Ravi", the annual issue of Government College magazine Lahore.

Nomainda of Bazm London,

MAQBOOL MAHMOOD FARHAT

Will be in Pakistan from Mid January to Mid March.

Therefore do not send him any E-mail or correspondence.

However for Dars and other information please contact the secretary

MR. IQBAL KHAWAJA
72 HERENT DRIVE, CLAYHALL, ILFORD,
ESSEX IG5 0HG
PHONE:020 8550 3893
E-MAIL: RAFIQUEFOUNDATION@TINYWORLD.CO.UK

his remains present till doomsday, as a proof for mankind, whosoever wants to know the real story.

In our research of concepts, we mentioned in the beginning, that time was now ripe to educate mankind, on how to have respect for the *Divine Spark* that is put in a human being, when he or she is in their formative years. Since concepts have to be realized through thought processes, the condition remains a must for the human mind to be fully capable of receiving, analyzing, and accepting fresh thoughts and ideas. As Dr. Iqbal says:

We also read in Quran that Allah has prohibited, or would it be better to say has banned, among a few other things, the eating of the flesh of swine or pig or any of its kind. A mature mind obviously reasons after all, what is so bad about this animal that human beings are being commanded to stay away from it. The *Imams* are often heard preaching from pulpits that Allah has commanded us to refrain from eating this animal, as it lives in filth and reproduces in big numbers. I personally have seen visitors in the zoos of Pakistan, stoning the poor animal on exhibit, and there is no sign or notice on the fence of its cage, to stop these illiterates from stoning it. The naïve reasoning of the *Imams* is so very obvious, as if God could not think of a better example to give, for a dirty and filthy thing, when he was revealing the Quran to mankind. However, if that is how this concept is rationalized, then Allah ought to have commanded us to stay away from a fly. A fly breeds, eats and lives on filth. It spreads more germs, sticking to its legs, when it flies from one place of filth to another, as compared to a pig. The other animal that comes to a thinking mind is a snake. Nothing more deadly intriguing and venomous in this world comes to mind, than the snake. Its bite can arrest all our live processes within minutes. And what would you all think of a rat? But that also has not been mentioned in the Quran. However, if we care to do a little research on the past history of a pig, that has been so emphatically forbidden by God ……Stop! Period! Nada!… for us to eat. We will notice, that in every known language and culture of this world, even till today, people have included the words of 'pig' or 'swine' in their list to mean utterly bad or filthy. To call anyone by this animals' name is a curse and an abuse. Yet the irony of fate continues to find the same people enjoying and relishing meals of pork or ham, Who perhaps just a while ago were calling this same animal filthy. Ordinarily in life, we stay away from people, who we consider are bad or avoid eating anything that we call filthy. Is God not telling humankind to respect our own opinions?

the House of Allah. It was a symbolic practical shape, meant to represent the concept of One God. Bearing the brunt of time, standing in the city of Mecca, it is the same structure that we today know as ***Kaa'ba***; more refined and seasoned over the passage of years. It is supposed to be there till doomsday, when everything, animate or inanimate, will see its end. On that day, mankind shall see the real manifestation of its concept of One God, therefore *Kaa'ba* the symbolic representation of the House of God shall no more be needed.

The circulations we see Muslims making, annually on Hajj and other occasions around *Kaa'ba*, are also symbolic. It is symbolically acting out our thought, of guarding our faith in One God. *Kaa'ba* is the unquenching thirst of a Muslim mind to see its Creator visually, in concrete shape and form. This is absolutely what Dr. Iqbal's stunning words mean, that we often hear now being sung in various shrines of saints and sufis, when he says:

When we read the Quran, we find in it Allah telling mankind, that Satan has been granted freedom till the Judgment Day. Evil or Satan is free to do whatever it may want, but it can do no harm to the people of Allah. We find in the Quran, that Allah has promised to preserve the remains of the pharaoh Ramesis II, also till Judgment Day. The same Pharaoh of Egypt who joked and passed sarcastic remarks on the God of Moses[PBUH]. Apart from other lessons that we learn from this episode in human history, we notice God providing us means, by preserving the mummy of Ramesis II, to appease and satisfy the human wish to see in concrete shape, the defeat of the concept of Evil. The Pharaoh of those days we read in history books, as was the custom, when he died had his slaves and concubines beheaded. In the belief, that everything belonging to the Pharaoh in this world, shall also serve his needs in his after life. Is this not the same custom being practiced today in modern India, though in a much more treacherous way, when the wife has to jump into the burning inferno of the pyre of her deceased husband? A tradition that is called 'Suttee.' But we all know that Hindus today have a democratic or secular form of government that has nothing to do with the customs of Pharaohs of ancient Egypt. Am I being politically correct?

We were discussing however, concepts need a concrete form in order for them to become a part of us. We notice, there is always someone praying in *Haram Shareef* or House of Allah, twenty-four hours and seven days of the week, but we have never heard of anyone visiting the Pharaoh's tomb for prayers. By its very looks it appears dead and haunted. The customs of Pharaohs were the doings of Evil, and are therefore promised by Allah to keep

All the angels we find in the Quran, were ordered to prostrate in front of Humankind, as the gates to the secrets of this Universe are being opened for him. Divine Being brings a transformation and changes this creature into a higher being, by putting in it a *Divine Spark* and calls it **MAN**. It is this Divine Spark that made man complete, made him rise above all other Divine creations and is destined to make him the king of this universe by its Creator. It is claimed in the Quran that mankind is *ashraf ul makhloo' qaat* (the finest of all God's creations).

This spark in humankind as we know that has Divine contents, forced our present day scientists to invade the territories of religion in their search for the missing link in evolution. The constraints of science hamper the scientists' progress in reaching any decision. Not finding a better word for it in English, let me say *rational faithism*, instead of religion. It is only in the regions of *rational faithism*, that scientists will ever be able to solve the mystery, in their quest for the 'missing link' in the evolution of mankind. We also may not be able to fully understand this concept of *Divine Spark*, that exists in all the three major Semitic *rational faithisms*, as God Almighty created man in a different dimension. Human mind is confined only in the dimensions of space and time, and it is not free to cross these dimensions, as yet. Though we do read in Dr. Iqbal's "Reconstruction of Religious Thought" that he has made serious attempts in finding a relationship between time and space.

By now the human being, after crawling on all its four limbs, had learnt to stand up and take care of its physical being. Man had not yet been taught on how to respect this *Divine Spark* in it, or human soul if that would ease us in understanding. We do see him being educated by the Creator even in the initial stages of life. For example, Messenger Noah[PBUH] we find in the Quran teaches Man, besides other lessons that we learn from this episode, on how to make shelter for himself in order to survive the disasters of nature. From time to time, other Messengers of God, taught Man on how to survive in a clan or tribe. Then as his lessons on life progress and advance, we learn that mankind is being shown by various other Messengers, on how to apply the new rules, sent by God, in their lives. And how one tribe can overcome the other with little friction, in the journey of life.

During the age of Messenger Abraham[PBUH], we find perhaps for the first time, how difficult it is for Man to get rid of his adherence to irrational doctrines and abstract concepts, he adopted through the ages. And how ferocious the fire can become, when concepts are in conflict. For the first time a Messenger of God, makes human beings aware that concepts essentially need a concrete shape, for their survival. Abraham[PBUH] built a geometric structure, a shape that will rarely resemble any form in the perceptual world around us, and called it

MAN IN THE MAKING

By

ABOO B. RANA

[The words that follow in this article are not written to bruise anybody's sentiments. It goes without saying, we all in this world are making efforts to seek for new ways to improve upon the qualities of our life. However, there is likelihood of going astray in my thoughts or disagreeing with the prevailing religious views, but I hope to be pardoned, as everyone has a right to his/her opinion.

I further want to make it very clear, I do not claim myself of being an authority on the charismatic Quran, and then I am also gladly willing to leave this title for the last person remaining on this earth. I started the serious study of this Book thirty and some odd years ago and I have always tried to read it without any preconceived ideas in my mind. Since the Quran is for all future times to come, I refrain myself from thinking hard on those sentences or words that are for posterity. For example, the Arabic letters Alif - Laam – Meem and other letters that come before the starting of each chapter in the Quran. If the reader can keep these few tips in mind, I am confident that you will benefit from this small essay.]

Let us turn the pages of human history millions of years back and throw a passing glance, when human species was still in its infancy. We notice this species being protected by Mother Nature from mighty dinosaurs and other wild creatures of mammoth proportions. The adolescent era of this human being consists in its discovery of fire and its invention of tools. After overgrowing its gregarious hunting instincts for survival in those remote times, where we also find this creature eating its own kind as in its cannibal age, mankind entered its youth. Now we observe humankind, beginning to roam the plains of earth in packs, making rules in societies, in order to live its life in more comfort. The time arrives to make humankind aware of its life. It is in reference to this moment in human development, that makes Dr. Iqbal say in very dramatic words:

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No. CPL-22
VOL:55
ISSUE 01

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®

We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468, Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com